سیرتِ

حضرت فاطمۃ الزہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تالیف

محمد بلال قادری

ناشر

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

نام کتاب ——— سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہ
تالیف ——— محمد بلال قادری
کمپوزنگ ——— ورڈ میکرز بیڈن روڈ لاہور
طابع ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر ——— شبیر برادرز اردو بازار لاہور
تعداد ——— 1100
اشاعت اول ——— 2000ء
قیمت ——— 150/= روپے

ملنے کا پتہ
شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

فہرست

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو حصولِ برکت کے لئے
بحضور سیدۃ نساء العالمین
سیدہ نساء اھل الجنة
سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کی خدمت بابرکت میں پیش کرکے
ان تمام خواتین کی طرف معنون کرتا ہوں جو اپنی زندگیوں کو
سیرتِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آئینہ دار بنانا چاہتی ہیں

طالب رضائے الٰہی

محمد بلال قادری

عرض مولف

اللہ تبارک و تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ جس نے مجھ گناہگار و خطاکار کو جگر گوشہء رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نورِ چشم مصطفیٰ سید تنا سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرتِ پاک لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

کسی بھی ہستی کے حالات زندگی یعنی سیرت لکھتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کے متعلقہ وہ تمام حالات اور لوگوں کا بھی ذکر کیا جائے جن کا اس کی زندگی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح روشنی پڑ سکے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ جس کی سیرت لکھی جا رہی ہے۔ اس کے شب و روز غم خوشی' سفر و حضر' کردار و گفتار' پیدائش و وفات' بچپن و جوانی۔ غرض وہ تمام حالاتِ زندگی تمام پہلوؤں کے ساتھ سامنے آجائیں۔ تاکہ سیرت بیان کرنے کا جو اصل مقصد ہے حاصل ہو جائے۔

چونکہ ہماری اس سیرت کا موضوع سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ جب ہم ان کی سیرت کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی زندگی کس قدر مکمل اور ایک مسلمان عورت کے لئے قابل تقلید اور قابل رشک ہے۔ لہٰذا ہم اس سیرت میں بھی ان تمام متعلقات فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ضرورت کا مطابق مختصراً یا تفصیلاً ذکر کریں گے۔ تاکہ اس میں سید تنا

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کردار اور ذکر آجائے۔ مثلاً ان کی پیدائش سے پہلے کے حالات' ان کے والد ماجد سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان کی والدۂ ماجدہ سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ان کی بہنیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)' ان کے بھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم' ان کے بیٹے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ان کی بیٹیاں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)' ان کی اولاد کے فضائل و برکات اور ان کے آداب جو احادیث و روایات میں موجود ہیں۔ اس کا بیان بھی مختصراً کر دیا ہے۔

اگرچہ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک مکمل کوشش ہے لیکن پھر بھی اربابِ علم و دانش کو اس میں کچھ فرو گزاشت نظر آئیں تو وہ انہیں میری ناقص العقلی اور کوتاہی علم و نظر پر محمول کرتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے مستفیض فرمائیں۔ ان کے مشوروں کو دلی شکریے اور سعادت مندی کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

اے ربِ مصطفیٰ بطفیل مصطفیٰ (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما اور اس کو میری نجات کا ذریعہ بنا۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ
و آلہ وسلم

طالبِ رضائے الٰہی (عزوجل)

محمد بلال قادری

سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اہمیت

اُردو زبان نے جن تصانیف کا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ ان سے رجالِ اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آگئے ہیں لیکن مخدراتِ اسلام کے کارہائے نمایاں اور ان کے حالاتِ زندگی اب تک پردۂ خفا میں ہیں۔ سیرتِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ اس صنف کے کارناموں اور حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آج مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط میں اور نسل مسلمان کے دورِ انحطاط میں آدھا سبب "عورت" ہے۔ وہم پرستی' جاہلانہ رسم ورواج' غم وشادی کے موقع پر ہندووانہ رسم ورواج اور پر مشرفات اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان عورتوں کے دلوں میں تعلیماتِ اسلامی کی روح مردہ ہو گئی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے مسلمان عورت کی زندگی کا کوئی مکمل عملی نمونہ نہیں۔ شاید آج کی عورت یہ سمجھتی ہو کہ اسلامی تاریخ میں کوئی مکمل باعمل عورت گزری نہیں۔ شاید کسی ایک عورت میں ایک فرمانبردار بیٹی ایک باحیا اور غیرت مند بہن ایک اطاعت گزار بیوی اور ایک نیک سیرت اور قابل مثال ماں کی تمام خوبیاں نہیں ہو سکتی۔

آج ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جو نہ صرف اہل دنیا

بلکہ اہل جنت کی عورتوں کی بھی سردار ہیں اور ان کا نامِ مبارک سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔

ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات' انقلابات اور مصائب' شادی' رخصتی' شوہر' سسرال' ساس' اولاد' غربت' خانہ دار ۔ غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل اور مثالی نمونے موجود ہیں۔ پھر علمی' عملی اور اخلاق سے مزین پاک زندگی مالامال ہے۔ اس لئے سیرت سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لئے ایک آئینہ ہے۔ جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقت تصویر کیا ہے؟

اسم گرامی

اسم گرامی
فاطمہ
(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

"فاطمہ "فطم سے ہے جس کے معنی روکنے اور چھوٹنے کے ہیں۔ دودھ چھوڑنے والے بچے کو فطیم کہتے ہیں۔

گویا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوگوں کو دوزخ کی آگ سے روکنے والی ہیں۔

یا

اس بناء پر رکھا گیا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے۔

کنیت مبارک:

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت "اُم محمد" تھی۔

القابات:

سیدتنا سیدہ النساء العالمین سیدۃ نساء اہل الجنۃ جگر گوشہ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے القابات یہ ہیں۔

بتول:

اس بنا پر رکھا گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے

فضیلت، دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں۔

زہراء:

زہراء کہنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہے کہ آپ جنتی خواتین کی طرح حیض و نفاس سے محفوظ تھیں۔ امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خصائص میں بیان کرتے ہیں۔

انها لا تحيض و كانت اذا وليت طهرت من نفاسها ساعة حتى لا تفوتها صلاة ولذلك سميت الزهراء

آپ کو حیض نہیں آتا تھا۔ جب آپ کے بچے کی ولادت ہوتی تو اسی وقت پاک ہو جاتیں۔ حتیٰ کہ کبھی آپ کی نماز قضا نہیں ہوئی اسی وجہ سے آپ کو زہرا کہا جاتا ہے۔

راضیہ:

اس بنا پر کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی رہنے والی تھیں۔

سیدۃ النساء العالمین:

اس بنا پر کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔

سیدۃ النساء اہل الجنۃ

اس بنا پر کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

زاکیہ:

اس بنا پر کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت اعلیٰ اخلاق و عادات کی مالک ہیں۔

طاہرہ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پاک باز ہونے کی بنا پر کہا گیا ہے۔

مطہرہ:

پاک صاف خاتون ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی آپ کے القابات ہیں۔

حسب و نسب

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے والد گرامی کی طرف سے یہ سلسلہء نسب ہے۔

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مراہ بن کعب بن لوی بن مالک بن نضر بن مدرکہ بن الیاس بن معد بن عدنان۔

والدۂ ماجدہ کی طرف سے

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

والدین فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

والدین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس ذات گرامی کی صاحبزادی ہیں۔ جو سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔

خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں۔

جو محبوبِ رب العالمین

رحمۃ العالمین ہیں

جو صاحبِ قاب قوسین ہیں۔

اور سید الثقلین ہیں۔

جو خیر الخلائق اور سید الانام ہیں

جو امت کے دافع البلا والوباء ہیں

جو نبی الحرمین امام القبلتین ہیں

جو شمس الضحیٰ بدر الدجی

صدر العلاء نور الہدیٰ ہیں

جو راحت العاشقین اور

مراد المشتاقین ہیں۔

الغرض! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں۔

المختصر یہ کہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور اپنے گوناگوں فضائل و مناقب کی بنا پر انہیں تاریخ اسلام میں نہایت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ سب سے پہلے جن سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے نکاح فرمایا وہ سیدتنا خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہ فرمایا۔

نام: خدیجۃ اور لقب طاہرہ ہے۔

باپ کا نام خویلد اور ماں کا فاطمہ تھا۔

اُم المومنین حضرت خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کا نسب نامہ یہ ہے۔

خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے نسب شریف سے قصی میں مل جاتا ہے۔

ماں کا شجریہ نسب یہ ہے۔

فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن معیص بن عامر بن لوی

لوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی مورثِ اعلیٰ ہیں۔ سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام ہند ہے۔

سیدتنا اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد خویلد بن اسد بہت بڑے تاجر تھے اور اپنی خوش معاملگی اور دیانت کی بدولت وہ تمام قریش اور عرب کے دوسرے قبائل میں بھی بڑی عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عام الفیل سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی نہایت سلیم الفطرت تھیں۔ وہ پہلے ابو ہالہ بن نباس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابوہالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔

اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح کیا۔ اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اسلام بھی قبول کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

روضۃ الاجناب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد و عورت دونوں کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ بعض نے عتیق کو ابوہالہ پر مقدم بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف

چالیس برس کی تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی۔

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عاقلہ' فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں۔ زمانہء جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابوہالہ اور عتیق کے بعد بہت سے صنادید و اشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اپنے آپ کو خود نکاح کے لئے پیش کیا۔

دراصل حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ نے آپ کو سفر تجارت کے دوران جو واقعات پیش آئے' بتائے۔ نیز آپ کے غلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ایمانداری' خوش اخلاقی وغیرہ تمام واقعات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتائے۔ ان تمام باتوں کا آپ پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک کنیزہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بھیجا تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں۔

اور یہ عورت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا

"اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟"

فرمایا

"میں دنیاوی سازوسامان نہیں رکھتا۔"

اس عورت نے کہا

"اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور صاحب

مال بھی ہو اور حسب و نسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو اور وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) قبول فرمالیں گے؟"

فرمایا

"ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے؟

اس عورت نے عرض کی

"ایسی عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی مضائقہ نہیں۔"

اس کے بعد وہ عورت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور بتایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نکاح کے لئے راضی ہیں۔ یہ سن کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں اور اظہار مسرت کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس بات کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے چچاؤں حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ابو طالب کے ہمراہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے جہاں عقد و نکاح ہوا۔

مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد زندہ نہ تھے بلکہ ان

کے چچا عمر بن اسد تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکاح

حضرت ابو طالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابو طالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے انہوں نے بھی خطبہ پڑھا۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ میں بعض روایات سے نقل کیا گیا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ اس روایت کے بموجب پانچ سو درہم ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں بیس شتر مایہ کی قیمت پانچ سو درہم یا چار سو مثقال طلائی ہوتی ہو گی۔ (واللہ اعلم)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور اس کے گھر سے پھیل رہا ہے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخرالزمان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تم سے نکاح کریں گے۔

نکاح کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر گھر سے باہر رہنے لگے۔ کئی کئی روز مکہ کے پہاڑوں میں جاکر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ غرض اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں معتکف تھے کہ رب ذوالجلال کے حکم سے جبرائیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ وہیں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی

وحی نازل ہوئی۔

اس حیرت انگیز واقعہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا۔ "السلام علیک یارسول اللہ۔"

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آکر فرمایا:

زملونی زملونی

مجھے کمبل اڑھاؤ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ۔

انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور پر کمبل ڈالا اور چہرۂ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا حال بیان کیا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غم نہ کھائیے اور خوش رہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی فرماتے' عیال کا بوجھ اٹھاتے' ریاضت و مجاہدہ کرتے' مہمان نوازی فرماتے' بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے' محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے' لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے' لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر

فرماتے ہیں۔ یتیموں کو پناہ دیتے، سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔ لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو امین اور صادق کہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا حال مبارک بیان فرمایا تو سیدہ خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشی سے مدہوش ہو گئیں۔ اس کے بعد سیدہ خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے۔ یہ قریش کے طور وطریق اور جاہلیت کے رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے۔ ان کو انجیل کا عمل خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ عبرانی زبان کو بھی جانتے تھے۔

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ

"اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے وہ کیا فرماتے ہیں؟"

ام المومنین حضرت خدیجتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کو برادر زادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادر زادہ کہا کرتے ہیں اور اہل سیر بھی کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہم عمر تھے۔

ورقہ بن نوفل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "کیا بات ہے؟"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا تمام حال جو گزرا تھا وہ بیان فرمادیا۔

یہ سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا:

"یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر نازل

ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) ہیں کہ جس کی حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بشارت دی۔"

"میرے بعد ایک رسول مبعوث ہو گا جس کا نام نامی احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) ہے اور قریب ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی اور توانا ہوتا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اس جگہ سے نکالے گی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟"

ورقہ بن نوفل نے کہا!

"ہاں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جو کچھ ہیں اس کی مانند کوئی ایک لیکر کبھی نہیں آیا کہ اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں۔

مطلب یہ کہ سنت الٰہی اس طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایسا نہیں آیا جس سے کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ پایا تو میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی پوری پوری نصرت مدد کروں گا۔"

اس کے بعد کچھ عرصے کے بعد ورقہ بن نوفل نے وفات پائی اور ظہور دعوتِ اسلام زمانہ نہ پایا لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں۔

تاہم ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین کامل ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم منصب رسالت پر فائز ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بلا تامل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تمام کتب سیر متفق ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے والی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً پچیس سال تک زندہ رہیں۔ اس مدت میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسا مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رفاقت اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کی وسعت پذیری سے بے حد مسرت حاصل ہوئی تھی اور وہ اپنے غیر مسلم اعزہ و اقارب کے طعن و تشنیع کی پرواکئے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ حق میں رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کا دست بازو ثابت کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا تمام زر و مال اسلام پر نثار کر دیا اور اپنی ساری دولت یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، بیکسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے وقف کر دی۔ ادھر کفار قریش نو مسلموں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے اور تبلیغ حق کی راہ میں ہر طرح کے روڑے اٹکا

رہے تھے۔ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے جاں نثاروں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کفار کی "لایعنی بیہودہ باتوں سے کبیدۂ خاطر ہوتے تو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتیں:-"یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آپ رنجیدہ نہ ہوں بھلا کوئی ایسا رسول (علیہ السلام) بھی آج تک آیا ہے۔ جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔"

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس کہنے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ملال طبع دور ہو جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم خیال اور غمگسار تھیں بلکہ ہر موقع پر اور ہر مصیبت میں آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی مدد کے لئے تیار رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہتا وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باتوں سے آسان اور ہلکا رنہ ہو جاتا تھا۔"

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیسے نامساعد حالات میں سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہی ہمدردی' دلسوزی' اور جاں نثاری تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہ فرمایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا جہاں اولاد کی پرورش نہایت خوش اسلوبی سے کر رہی تھیں، وہاں امور خانہ داری کو بھی نہایت سلیقہ سے نباہتی تھیں اور باوجود تمول و ثروت کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عقیدت اور محبت کی یہ کیفیت تھی کہ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا انہوں نے ہمیشہ اس کی پرزور تائید و تصدیق کی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے۔

سنہ ۷ھ بعد بعثت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس ابتلاء میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ وہ پورے تین سال تک اس محصوری کے روح فرسا آلام و مصائب بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ جھیلتی رہیں۔

سنہ ۱۰ھ نبوی میں یہ ظالمانہ محاصرہ ختم ہوا۔ لیکن اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زیادہ دن زندہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں (یا اس سے کچھ پہلے) ان کی طبیعت ناساز ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علاج معالجہ اور تسکین و تشفی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۱۱ رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوی کو انہوں نے پیک اجل کو لبیک کہا اور مکہ مکرمہ کے قبرستان حجون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۵ برس کی تھی۔

سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیما پہلی ماں کہف امن و امان
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
منزل من قصب لا نصب لا صخب
ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

رسول پاک صاحب لولاک
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی
اولادِ اَطہار

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی اولادِ اطہار
یعنی

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی اور بہنیں

جمہور مسلمین اس بات پر متفق ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

صاحبزادے

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

انہی کی نسبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ قبل از نبوت متولد ہوئے اور ایک سال پانچ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا لقب طاہر وطیب تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور صغر سنی میں فوت ہوئے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بھی کم سنی میں دنیا سے رخصت

ہو گئے۔

صاحبزادیاں

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اولاد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

اب ہم ہر ایک کے حالات مختصراً بیان کریں گے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی

۱- سیدنا حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

۲- سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

۳- سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

حضرت قاسم بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں۔ جو قبل اعلان اظہار نبوت پیدا ہوئے اور انہیں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی کنیت "ابوالقاسم" مشہور ہوئی۔

یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔

بعض کہتے ہیں کہ

دو سال کی عمر تک زندہ رہے اور بعض نے سترہ (۱۷) ماہ کہا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں یہی درست ہے۔

ان کی وفات بھی قبل اعلان اظہار نبوت ہے۔

صاحب مواہب نے فرمایا کہ مستدرک میں ایسی روایت ہے جو عہد اسلام میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہے۔

یہ پہلے فرزند ہیں جنہوں نے اولاد شریف میں سب سے پہلے وفات پائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں بعد ظہورِ اسلام عالم وجود میں تشریف لائے اور عہد طفولیت میں وفات پائی۔

جب عاص بن وائل سہمی جو حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا باپ تھا۔ اسے حضرت عبداللہ کے فوت ہونے کی خبر ملی اس سے پہلے حضرت قاسم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فوت ہونے کی خبر سن چکا تھا۔ اس وقت اس نے کہا:

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کے فرزندان رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔"

ابتر کے معنی "بے فرزند" اور بے خبر ہونے کے ہیں۔

اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اِن شانئك هو الابتر

بلاشبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا دشمن ابتر (بے نسل) رہے گا۔"

کیونکہ دنیاو آخرت میں کوئی اس کا نام نہ لے گا اور اگر کوئی اس کا نام لے گا بھی تو اس پر لعنت کرے گا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جیسے کو کوئی ابتر کہہ ہی نہیں سکتا' کیونکہ دنیاو آخرت کی بھلائی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اس حد تک حاصل ہے جو حیطہ وصف و بیان سے باہر ہے اور سارا جہاں آپ کی روحانی اولاد و فرزندوں سے بھر جائے گا اور وہ مشرق و مغرب ہر جگہ پھیلیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دی۔

انا اعطينك الكوثر

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو خیر کثیر عطا کیا

کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ جس میں کثرت و مبالغہ کے معنی ہیں اور تمام دنیاو آخرت کی بھلائیاں جن کی انتہا تک مخلوق کے علم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

اور جو جس قدر بیان کرتا ہے وہ اس کے پہلو میں ایک مجمل حرف اور ایک دفتر اس سمندر کا ایک قطرہ ہے۔

کوثر کی تعریف میں علماء کے اقوال و تاویل بہت ہیں۔ جس کسی نے نور باطن کا جتنا حصہ پایا اس نے بیان کر دیا۔

نبوت' معجزات' شفاعت' معرفت اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ

وسلم کی ذات بابرکات کے تمام برکات و کمالات اور قیامت تک تمام کرامات سب اس لفظ کوثر میں داخل ہیں اور وہ حوضِ کوثر جو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا اور جو اس سے پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا وہ بھی اسی خیر کا جزو ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی آخری اولاد ہیں اور مدینہ طیبہ میں ماہِ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدۂ ماجدہ سیدتنا ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۂ حضرت ابو رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دایہ تھیں۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر دی کہ

"ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند پیدا ہوا ہے۔"

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں خبر پہنچائی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس مژدہ کے پہنچانے پر انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔

اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو "ابا ابراہیم" کی کنیت سے مخاطب کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بہت خوش و مسرور ہوئے اور دو بھیڑوں کا عقیقہ فرمایا اور ان کے سر کو مونڈا گیا اور نام رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) بھی کم سنی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزع کے عالم میں ہیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانکنی کے عالم میں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

"اے ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے۔"

اور کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ناراضگی ظاہر ہوتی ہو' حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستر (۷۰) دن کے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) آپ بھی روتے ہیں آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔

سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"اے عوف کے فرزند (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے یہ میت پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو آوازوں کی بنا پر ہے ایک وہ آواز جو گانے' لہو و لعب اور شیطانی

مزامیر (گانے باجے) سے ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو' اور میں
منع کرتا ہوں منہ نوچنے' چہرہ پیٹنے' کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے
سے' لیکن آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم و شفقت کی وجہ سے ہے
اور جو رحم و شفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں ہو گا۔"

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے روز سورج کو گرہن لگا ہوا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔

چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند اور سورج کے گرہن کا تعلق کسی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔

اس پر سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"چاند اور سورج اللہ عزوجل کی دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کے مرنے یا
جینے سے گرہن نہیں لگتا۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ:

"یہ دو ایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے
تاکہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں اور وہ صدقہ و خیرات
کریں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں۔"

چونکہ یہ گرہن چاند کی دسویں تاریخ کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس (۲۸) یا انتیس (۲۹) تاریخ کو گرہن لگتا ہے۔ اس بناء پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا ہے۔

اس حدیث میں نجومیوں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گرہن چاند کی اٹھائیس (۲۸) یا انتیس (۲۹) تاریخ سے پہلے ممکن نہیں۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہنیں

۱- سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

۲- سیدتنا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

۳- سیدتنا حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلانِ اظہارِ نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تیس (۳۰) سال تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی۔ ان کا نکاح ان کے خالہ کے بیٹے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جن کا نام ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن الربیع بن عبدالعزی بن عبدالشمس بن عبد مناف ہے اور ابوالعاص کی والدہ ہند بنت خویلد' سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد کی بہن ہیں۔ حضرت ابوالعاص کنیت ہے مگر ان کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لفیظ ہے یا مقسم یا قاسم یا یاسر۔

اکثر کے نزدیک قول اول درست ہے یعنی لفیظ نام ہے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت کی۔ اور ان کو شرک میں مبتلا چھوڑ دیا اور ابوالعاص مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے پہلے ہی نکاح میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے سپرد فرمادیا۔

بعض کہتے ہیں کہ نکاح جدید کے ساتھ سپرد کیا۔اس کا مجمل حصہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ

۲ ہجری میں حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے قیدیوں میں داخل تھے۔جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیہ بھیجا تو سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں لٹکا رہتا تھا۔جسے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عقد کے وقت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں دیا تھا۔جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس ہار کو ملاحظہ فرمایا تو یدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صحبت کا زمانہ یاد آگیا اور سخت رقت طاری ہو گئی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ :

"اگر تم قیدی کو رہا کرو تو تم فدیہ کا ہار زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو لوٹا دو۔تم چاہو تو ایسا کرلو۔"

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

"ہاں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہم ایسا ہی کریں گے جس میں آپ کی مرضی مبارک ہو گی۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ابو العاص سے عہد لیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بھیج دیں گے۔حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مان لیا۔اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے آئیں اور فرمایا کہ مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناصح کے بطن میں ٹھہرنا۔یہ ایک

موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر مسجد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جب سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمہارے حوالے کر دیں تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آجانا۔

اس واقعہ کے اڑھائی سال بعد ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مالِ تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب علیہم الرضوان اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے قافلہ پر قابو پالیا تو چاہا کہ ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کیا کسی مسلمان کو کسی کو عہد امان میں لینے کا حق نہیں؟" حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "ہاں ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آپ گواہ رہئے کہ میں ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امان دے دی ہے۔"

جب صحابہ کرام علیہم الرضوان اس صورتحال سے باخبر ہوئے تو ان کے مال سے دستِ تعرض کھینچ لیا اور ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ مشرکوں کا یہ تمام مال تمہارے لئے غنیمت ہو جائے۔ ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال سے پلید کروں اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو ان کے مالکوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا "اے مکہ والو! آیا میں نے تمہیں تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" پھر ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے فرمایا:

"تم گواہ رہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ

"لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ۔"(صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح سابق یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے سپرد فرمایا۔ اس جگہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زن و شوہر میں سے کسی کے اسلام لانے پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت زیادہ شفقت و عنایت فرماتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور ۸ ہجری میں خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اس کا سبب وہی تکلیف تھی جو ہجرت کے موقع پر انہیں اونٹ سے گرنے کی وجہ سے پہنچی تھی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق غسل دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فرزند تھا جس کا نام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ یہ علی بن ابوالعاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حد بلوغ کے قریب دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے دوران فتح مکہ اپنی سواری پر ان کو اپنا ردیف بنایا تھا' اور امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت پیار کرتے تھے۔ جیسا کہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نماز پڑھ

رہے تھے اور امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے دوشِ مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے سر مبارک اُٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے اُٹھا کر دوشِ مبارک پر بٹھا لیتے۔

شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اُٹھانا اور زمین پر اُتارنا فعل کثیر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اسے کیسے جائز رکھا۔

جواب میں فرماتے ہیں کہ:

امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود آکر بیٹھتیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا فعل و اختیار نہ تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا تھا۔

حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

سیدتنا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپ اعلانِ اظہار نبوت سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ابن عم عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اعلانِ اظہارِ نبوت اور بعض روایات میں آتا ہے کہ

سورۃ تبت یدا ابی لھب' کے نزول کے بعد عتبہ نے اپنے باپ ابولہب کے مطابق حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدی۔ ان کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

یہی عتبہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینے پر ابھارا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا

"خدا کی قسم میں ہر گز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی

صاحبزادی کو جدا نہیں کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔"

عتبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے طلاق دینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں' ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور ایک حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔

سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا:

"حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعد عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی۔"

۲ ہجری میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی خبر گیری کے لئے مدینہ ہی میں ٹھہریں۔ اس کے بعد عوض اللہ تعالیٰ انہیں جہاد میں شریک ہونے کا ثواب بھی دے گا اور مال غنیمت میں سے بھی انہیں حصہ ملے گا۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ ہی میں ٹھہر گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ابھی بدر سے واپس نہیں لوٹے تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تکلیف بڑھ گئی اور انہوں نے اکیس سال کی عمر میں پیک اجل کو لبیک کہا۔

عین اس وقت جب قبر پر مٹی ڈالی جارہی تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی لخت جگر کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچااور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی بہن کی قبر پر تشریف لائیں اور قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا صرف ایک فرزند تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔اسی کی بنا پر لوگ حضرت عثمان کو ابو عبداللہ کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما صرف چار برس کے تھے۔دو برس بعد ان کو ایک حادثہ پیش آیا۔ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماردی۔ جس سے سارا چہرہ متورم ہو گیا۔اسی تکلیف سے انہوں نے جمادی الاولیٰ ۴ ہجری میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں باہم بے حد محبت تھی۔ان کے تعلقات اتنے خوشگوار اور مثالی تھے کہ لوگوں میں ان کی نسبت یہ مقولہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

"احسن الزوجین راھما الانسان رقیه (رضی الله تعالیٰ عنها) و زوجها عثمان –رضی الله تعالیٰ عنه)."

یعنی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔

سیدتنا حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

سیدتنا حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلانِ اظہارِ نبوت سے چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک سال چھوٹی اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک سال بڑی تھیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کا اپنا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آمنہ یا امیہ تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت اُمِ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شہرت پائی۔

آپ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ابولہب کے عتیبہ بن لہب کی زوجیت میں تھیں۔ سورہ لہب نازل ہونے کے بعد ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو بلایا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو عتبہ کے نکاح میں تھیں مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی' انہی عتبہ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا' لیکن عتیبہ کی زوجیت میں حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ یہ گستاخ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ سخت بدکلامی کا مظاہرہ کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

اللھم سلط علیہ کلباً من کلابك

"اے اللہ عزوجل! اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے۔"

اہل سیر کہتے ہیں۔ حضرت ابو طالب اس وقت مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا "میں نہیں جانتا کہ تجھے کون سی چیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے روکے گی۔"

یہ ملعون تجارت کی غرض سے شام کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں جب اس نے ایک ایسی منزل میں پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا:

"آج رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی رات اثر کرے۔"

اس پر سب نے اپنے اپنے سامان کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر کر کے چنا اور ان کے سامان کے اوپر عتیبہ کے سونے کیلئے جگہ بنائی۔ اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کر دیا۔ ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی سے اس شیر نے تعرض نہ کیا۔ پھر جست لگائی اور عتیبہ پر پنجہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عتیبہ کی گردن کو دبوچا۔

حضور سید عالم سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہجرت کے تیسرے سال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تزوج فرمادیا۔ اور فرمایا۔

"یہ جبرائیل امین (علیہ السلام) کھڑے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ

حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے حبالۂ عقد میں دے دوں۔"

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت کے نوویں سال وفات پائی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ان کی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور فرمایا:

"تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو' اس پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں ہوں۔ "فرمایا" ان کی قبر میں اترو۔"

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

"اگر میرے پاس تیسری صاحبزادی ہوتی تو میں اسے بھی تمہارے نکاح میں دے دیتا۔"

ایک روایت میں ہے اگر دس صاحبزادیاں ہوتیں تو میں ان کو یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاتا اور وفات پاتی رہتیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرصہ تک حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رہیں لیکن ان سے کوئی فرزند نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دو فرزند پیدا ہوئے مگر وہ زندہ نہ رہے۔ نیز سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کوئی فرزند زندہ نہ رہا۔

لہٰذا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی فرزند زندہ نہ رہا' دوسری بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی جو باقی زندہ رہی۔

سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت کے وقت دنیا کا حال

بحر و بر میں فساد برپا تھا۔ انسانیت انسان سے شرمارہی تھی اور تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی اور کوئی دم میں اس میں گرا چاہتی تھی انسان حیاتِ دنیا پر فریفتہ تھی اور مال و زر کے پیچھے مری جارہی تھی۔ انسان مال کی بہتات و کثرتِ اولاد پر اتراتا پھر رہا تھا۔ مرغوبات نفس' رزق برق لباس' چیدہ گھوڑے' آرام دہ مکانات' سایہ دار باغات۔ سونا چاندی' جاہ و حشمت' عہد' و منصب کے حصول کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اخروی زندگی کے تصور سے اس کا ذہن خالی تھا اور سمجھتا تھا کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا کی زندگی میں ہے اور یہاں سے گزرنے کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ اُسے دوبارہ اُٹھ کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ حال مشرکین و منکرین خدا کا تھا۔ یہود و نصاریٰ کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ یہود خود کو خدا کی لاڈلی اور چہیتی قوم سمجھتے تھے اور جنت کو اپنا آبائی حق سمجھتے تھے اور اس پر اپنا استحقاق جتاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر آگ انہیں چھوئے گی تو بس چند دنوں کے لئے پھر ان کے لئے نجات ہی نجات ہے اور ابدی مسرت ان کے حق میں لکھ دی گئی ہے۔ نصاریٰ عقیدہ تثلیث و کفارے پر اعتقاد رکھتے تھے اور اپنے گناہوں کا بوجھ موہوم مسیح کے کاندھے پر رکھ کر دنیا میں زندگی کے مزے لوٹ رہے تھے۔

ولادت باسعادت

حضور سید عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیاری اور چہیتی صاحبزادی سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادتِ باسعادت میں مندرجہ ذیل روایات مشہور ہیں۔ایک روایت میں یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت بعثت سے ایک سال پہلے ہوئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادتِ باسعادت اعلانِ اظہارِ نبوت کے پہلے سال کے ماہ جمادی الثانی میں ہوئی۔ایک روایت میں یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادتِ باسعادت بقولِ صحیح اعلانِ اظہارِ نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ جس سال قریش مکہ خانہ کعبہ میں ایک دراڑ آنے کی وجہ سے تعمیر کر رہے تھے۔اس وقت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ ۳۵ سال اور سیدتنا اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ (پچاس سال) تھی۔

جمہور ارباب سیر نے اسی روایت کو صحیح اور مستند قرار دیا ہے۔ صاحب مدارج النبوۃ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ابن سعد سے بھی یہی روایت صحیح ہے اور درایت کی رو سے بھی یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پیارے آقا غمزدوں کے

دل کے چین سرورِ کونین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ظاہری وصال ۱۱ ہجری کو ہوا۔ اس وقت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال بتائی گئی ہے۔ اس حساب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اعلانِ اظہارِ نبوت سے تقریباً پانچ سال قبل بنتی ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اسی روایت کو اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا
شعب ابی طالب کی محصوری میں

شعب ابی طالب

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک تقریباً ۱۲ سال تھی اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اعلانِ اظہار نبوت کا ساتواں سال جاری تھا کہ شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے دین اسلام کی عزت و قوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ حبشہ کی طرف جا رہے ہیں اور اسلام کی روشنی قبائل عرب میں پھیلتی جا رہی ہے تو ان کے حسد و عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے قتل و ہلاکت (نعوذ باللہ) میں کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ابو طالب کی حمایت اور کفالت میں تھے۔ اس لئے ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی طرف دست ستم دراز کریں۔ وہ ابو طالب کے پاس آئے ان سے کہنے لگے کہ:

> "اے ابو طالب آپ اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں یا ہم سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں یا پھر اُن سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔"

ان لوگوں کے جانے کے بعد ابو طالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو بلایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے کہا کہ:

"آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنی جان کو بخشئے کیونکہ ہم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

اس پر سرکارِ دوجہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"اے میرے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے؟ کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں' ایسا نہیں ہے' بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک کہ یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔ میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں' اگر آپ میری تقویت فرما سکیں اور میری موافقت کر سکیں تو یہ آپ کی سعادت اور نیک بختی ہے ورنہ نصرتِ الٰہی اور تائید آسانی میرے لئے کافی ہے۔"

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے۔ ابو طالب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ان باتوں سے گونہ تقویت و ہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے۔

"آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنا کام کیے جائیں۔ ربِ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے دست مبارک کو باز نہ رکھ سکے گا۔"

اس ضمن میں ایک شعر ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ:

"رب کعبہ کی قسم! کبھی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی

میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم علی الاعلان اپنے دین کو پھیلایئے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہیے اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھئے۔"

چنانچہ ابو طالب نے قریش مکہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد ابو طالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا۔ مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ نسلی و خاندانی عصبیت کے لحاظ سے سب کے سب (اگرچہ کچھ ان میں سے کافر تھے) جاہلیت کی عادت کی وجہ سے اپنی گھاٹی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ داخل ہو گئے مگر ابو لہب داخل نہ ہوا اگرچہ یہ بنی ہاشم میں سے تھا۔ تمام قریش نے اپنے درمیان یہ عہد باندھا کہ

"ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی المطلب سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ نہ ان سے ازدواجی تعلقات قائم کریں گے اور نہ ان سے تجارتی معاملات کریں گے' نہ ان سے میل جول رکھیں گے اور نہ ہی ان سے کبھی صلح کریں گے' نہ اپنے دلوں میں ان کی طرف سے کسی قسم کی نرمی اور رحمدلی کو جگہ دیں گے' نہ ان کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں گے اور نہ کسی قسم کی گفت و شنید کریں گے اور مکمل مقاطعہ کریں گے اور وہ اس سرزمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔"

ان لوگوں کے بازار والوں سے بھی عہد لیا کہ

"کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے گی۔"

کبھی ایسا ہوتا کہ حج کے زمانے میں گرد و نواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں انہوں نے ایک "عہد نامہ" لکھا

اور یکم محرم ۷ نبوی چاند رات کو معرض تحریر میں لاکر ہر قبیلہ کے نمائندے نے دستخط کئے یا انگوٹھا لگایا اور پھر اسے درِ کعبہ آویزاں کر دیا کہ:

ان لوگوں کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کے قتل پر (نعوذ باللہ) کہتے ہیں بغیض ابن عامر جس نے یہ معاہدہ تحریر کیا تھا اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے تھے۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ حتم نورہ ولو کرہ الکفرون

"کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں گے' مگر اللہ پاک اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے' چاہے کافر برا مانیں۔"

تین سال اسی حالت میں گزر گئے۔ ان سالوں میں محصورین شعب ابی طالب پر کیا کیا مصائب و تکالیف گزریں۔ ان کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے' مگر ہم یہاں چند ایک روایات ضرور لکھیں گے تاکہ وہ لوگ جو تبلیغ دین کرتے ہوئے مصائب و تکالیف کا سامنا کرتے ہیں۔ وہ جان جائیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے چاہنے والوں نے راہِ تبلیغ دین میں کن کن تکالیف اور مصائب کا سامنا کیا۔

اس معاہدہ کے بعد مشرکین مکہ نے شعب ابی طالب کا محاصرہ کر لیا اور اس میں اتنی سختی برتی کہ کھانے پینے کی کوئی چیز محصورین کو نہ پہنچنے دیتے تھے۔ باہر سے اگر کوئی سوداگر غلہ فروخت کرنے آتا تو اس سے ایک ایک دانہ خرید کر قابو میں کر لیتے تاکہ اسے محصورین نہ خرید سکیں۔

☆ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے بچے جب بھوک سے بے تاب ہو کر روتے تھے

تو مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے۔

☆ عورتوں کی چھاتیوں کے دودھ خشک ہو گئے تھے۔

☆ کئی کئی دن تک محصورین کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ جاتی تھی' بے کس محصورین درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں اُبال اُبال کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔

☆ اگر کبھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا دوسرے غیر ہاشمی جاں نثار چوری چھپے جان جوکھوں میں ڈال کر کوئی چیز شعب ابی طالب میں پہنچاتے تو اس کی مقدار اتنی قلیل ہوتی کہ چند دن بھی ساتھ نہ دیتی

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو انہیں سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔ انہوں نے اسے پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پیا۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ ہاشمی تھے نہ مطلبی لیکن انہوں نے برضاؤ رغبت اس مصیبت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔

غرض بنو ہاشم اور بنو مطلب مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں زہرہ گداز اور حوصلہ فرسا مصائب و آلام کا شکار رہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنو ہاشم اور بنو مطلب نے بھی مصیبت کا یہ زمانہ اپنے عظیم المرتبت والدین اور دوسرے اعزہ واقرباء کے ساتھ محصوری میں گزارا اور تمام سختیاں بڑے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیں۔ ان تین سالوں کے دوران میں جب حج کا موسم آتا تو رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مردانہ وار شعب ابی طالب سے باہر نکلتے اور لوگوں

کو دعوتِ توحید دیتے۔"

بد بخت ابو لہب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پیچھے پیچھے پھرتا اور لوگوں سے کہتا۔

"لوگو! میرا بھتیجا دیوانہ (نعوذ باللہ من ذالک) ہو گیا ہے۔ اس کی باتوں پر مت دھیان دو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔"

جب تنگی و عسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی و شفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اس ظالم و قاطع "عہد نامہ" کو پرزے پرزے کر دیں۔ قریش کے درمیان نزع و خصومت واقع ہونے کے انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس "عہد نامہ" کو سامنے لایا جائے۔ ابو طالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر کیا ہے کہ

> "وہ دیمک ظلم و ستم اور قطعیت کی عبارت کو چاٹ لے اور اللہ (عزوجل) اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کے نام کو باقی رکھے۔

اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی نکلے تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ختم ہو گیا۔

پھر عہد نامہ کھولا گیا تو وہ ویسا ہی بر آمد ہوا جیسا مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیئے۔ اس کے باوجود ابو جہل اور اس کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ "عہد نامہ" نہ توڑا جائے۔ ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حرم کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور

دعا کی۔

اللھم انصرنا علیٰ من ظلمنا وقطع ارحامنا واستحل ما یحرم علینا.

"اے اللہ عزوجل ہماری' ہمارے ظالموں پر مدد فرما' اور قطع رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا۔"

پھر اپنی گھاٹی میں لوٹ گئے ادھر قریش بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس طرزِ عمل پر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ ان لوگوں میں مطعم بن عدی' عدی بن قیس' زمعہ بن اسود' ابوالبختری بن ہشام اور زہیر بن ابی اُمیہ شامل تھے۔ انہوں نے ہتھیار لگائے اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس پہنچے اور انہیں اپنے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی۔

یہ صورتحال نبوت کے دسویں (١٠ نبوی سال) میں واقع ہوئی۔

ہجرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا

مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد سرکار خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے غلام تھے مکہ مکرمہ میں بھیجا تاکہ وہ اہل بیت کو ساتھ لے آئیں۔ ساتھ میں ۵۰۰ درہم اور دو اونٹ بھی دیئے تاکہ سیدہ فاطمہ' سودہ بنت زمعہ' اُمِ کلثوم' اسامہ اور ان کی والدہ اور امِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو لے کر آئیں۔ چنانچہ یہ ان سب کو لے کر آئے اور حضرت عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اپنے والد محترم کے اہل و عیال ان کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔ (طبقات النساء ابن سعد' مدارج النبوۃ' سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

جمہور اہل سیر کا اسی روایت پر اتفاق ہے لیکن اہل ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور قبا کے مقام پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ملے' وہاں سے مدینہ منورہ گئے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت کے بارے میں مختلف روایات ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ

سرکارِ مدینہ راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ہجرت کے بعد دوسرے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کیں اور پھر اپنی والدہ فاطمہ بنت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خاندان کی دوسری خواتین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا' فاطمہ بنت زبیر بن

عبدالمطلب اور فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ساتھ لے کر اونٹوں پر عازمِ مدینہ ہوئے۔ ہم نام خواتین کو ساتھ لینے کا مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دشمن کی زد سے بچ جائیں۔ قریش کے کچھ سواروں نے اس قافلے کا تعاقب کیا اور ضجنان کے مقام پر اس کو روک لیا۔ لیکن اسد اللہ علی کرم اللہ نے ان کو مار بھگایا اور سارا قافلہ خیر و عافیت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبا پہنچ گیا۔

سرکارِ دوجہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی کو خوش آمدید کہا۔ بیٹی کو گلے لگایا اور سب کو ساتھ لے کر مدینے میں داخل ہوئے۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ داخل ہوئیں۔ اہل سیر کے نزدیک پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کی شادی

جہیز
رُخصتی
ولیمہ

مثالی شادی

اسلامی زندگی کی عمارت تقویٰ واحسان کی بنیادوں پر قائم تھی۔ ریاکاری' نام ونمود' شہرت ود کھاوا' اسراف واتلاف' شان و شوکت کا یہاں نام و نشان نہیں تھا۔ ہر چیز اپنی فطرت پر قائم تھی۔ ہر شئے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اسلامی معاشرت کا ایک تابندہ و درخشاں دور تھا۔ اس دور میں شادیاں اسلامی سادگی کا نمونہ تھی۔ نہ زرق و برق لباس تھے اور نہ گہنے اور زیورات تھے' نہ ہاتھی اور گھوڑے تھے اور نہ بینڈ اور باجے تھے۔ نہ شہنائیاں اور آتشبازیاں تھیں اور نہ رقص وسرود کی محافل تھیں نہ جہیز اور تلک تھا اور نہ جوڑا اور گھوڑا تھا۔ بے جا نمائش تھی' نہ بے جا آلائش تھی۔ بے پردہ بیگمات تھیں نہ بے حیا بے شرم مرد تھے گانے والوں کا طائفہ تھا نہ ناچنے والیوں کا تماشا تھا۔

سرکارِ مدینہ راحت قلب وسینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادی شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اسلامی سادگی کا مکمل نمونہ تھی۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ۲ ہجری کے ماہِ رمضان میں ہوا۔ بعض ذی الحجہ بعض ماہِ صفر اور بعض ماہِ رجب بتاتے ہیں۔

بوقت نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف سولہ (۱۶) سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال (۱۸) تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال (۲۱) پانچ ماہ تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے وحی کا انتظار کر رہا ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی یہی جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیام دیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا وہ عمر رسیدہ ہیں۔ چند دن کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کر دی۔ یہ نسبت کس طرح ہوئی اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترغیب دلائی کہ

"سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے آپ پیغام کیوں نہیں بھیجتے؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

"میرے پاس کیا چیز ہے؟ کہ میں عقد کروں۔"

اس نیک بخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی جلالت اور کچھ فطری حیا کہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور سر جھکا کر خاموش بیٹھ رہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے خود ہی توجہ فرمائی اور پوچھا

"علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آج خلافِ معمول بالکل ہی چپ چاپ ہو گیا

فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کی درخواست لے کر آئے ہو؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا

"بے شک یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرف مدعا زبان پر لائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اھلا وسھلا ومرحبا کہا اور پھر خاموش ہوگئے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت باہر منتظر تھی۔ حضر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جواب سنایا۔

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارکباد دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام منظور کرلیا۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

ایک دن حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت سعد بن ابی وقاص یا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں بیٹھے سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کے متعلق گفتگو فرمارہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"اشراف قریش میں بہت سے لوگوں نے پیغام دیا لیکن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اب تک اس بارے میں کچھ نہیں کیا اور نہ کسی نے ان کی طرف سے پیغام دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنگدستی اس

خواہش کے اظہار میں مانع ہو رہی ہے لیکن ہمارا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ضرور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کریں گے۔"

بس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "چلو ہم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق گفتگو کریں۔ اگر تنگدستی مانع ہو تو ہم ان کی مدد کریں گے۔

یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ اس وقت ایک انصاری کے باغ کو اجرت پر پانی دے رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ

"اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کوئی نیک خصلت ایسی نہیں ہے کہ اس میں آپ کو ہم سب لوگوں پر ترجیح نہ ہو۔ اس کے علاوہ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے جو کچھ قربت حاصل ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اشرافِ قریش نے پیغام دیا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کا پیام منظور نہیں فرمایا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آپ سے رشتہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' بس آپ کیوں نہیں پیغام دیتے؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "تنگدستی کی وجہ سے مجھے پیغام دیتے ہوئے حجاب آتا ہے۔"

لیکن یہ تینوں حضرات اصرار کرنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام دینا منظور کر لیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عقد کی درخواست کی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تمہارے پاس کچھ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ادا کر سکو۔"

عرض کیا:

"میرے پاس ایک تلوار' ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے' اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

ارشاد فرمایا

"تلوار تو جہاد میں کام آنے والی چیز ہے اور اونٹ سے تم اپنے لئے نخلستان سے پانی کھینچتے ہو اور سامان لادتے ہو' البتہ زرہ کی تمہیں ضرورت نہیں' اس کو فروخت کر دو۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ زرہ فروخت کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے پیش کی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو اسی درہم پر یہ زرہ خرید لی اور پھر ہدیۃً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رقم لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعائے خیر کی۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضامندی حاصل کر لی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ کی قیمت فروخت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامانِ شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا "کہ جاؤ ابو بکر، عمر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسجد نبوی میں بلا لاؤ۔" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"کہ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باہم نکاح کر دیا جائے۔"

جب بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"اے گروہِ مہاجرین و انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا نکاح علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کر دوں۔ میں تمہارے سامنے اُسی حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے خطبہ نکاح پڑھا۔

ایک روایت میں آتا ہے:

نکاح کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے چھوہارے تقسیم فرمائے۔

ترانۂ مسرت سیدتنا اُم المومنین
حضرت اُمِ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سرن بعون اللّٰہ جاراتی
واذکرن فی کل حالات

ترجمہ: ہماری سہیلیاں اللہ تعالیٰ کی راہ کی مدد سے روانہ ہوں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتیں۔

واذ کرن ما انعم رب العلیٰ
من کشف مکروہ و آفات

اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد رکھو کہ اس نے ہمیں تکالیف و مصائب سے بچالیا۔

قد ھذا نا بعد کفر و قد
انعشنا رب السماوات

اس نے ہمیں کفر سے نکال کر راہِ ہدایت دکھائی' آسمانوں کے مالک نے ہمیں اونچا مرتبہ دیا۔

وسرن مع خیر نساء الوریٰ
تفدی بعمات و خالات

ہماری سہیلیاں بہترین خواتین عالم کے ساتھ روانہ ہوں، جن پر پھوپھیاں اور خالائیں قربان ہو رہی ہیں۔

یا بنت من فضله ذوالعلی
بالوحی منه والرسالات

اے اُس کی صاحبزادی جسے اللہ تعالیٰ نے وحی و رسالت سے سرفراز فرمایا۔

ترانۂ مسرت فی ذکر خاتون جنت

سیدتنا اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ خیر نساء البشر
ومن لھاوجہ کوجہ القمر

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہترین خاتون ہیں۔ جن کا چہرا چاند کی طرح روشن ہے۔

فضلک اللہ علیٰ ذی الوریٰ
بفضل من حص بای الزبر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہاں پر وہ فضیلت بخشی ہے جس کا ذکر قرآنی آیات میں بھی آیا ہے۔

زوجک اللہ فی فاضلاً
اعنی علیا خیر من فی الخضر

اللہ تعالیٰ آپ کی شادی اس فاضل نوجوان سے کی ہے جس کا نام علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور جو ایک بہترین انسان ہے۔

وسرن جا راتی ھا انفا
کریمة بنت عظیم الخطر

اب میری سہیلیاں اس محترمہ کے ساتھ چلیں کیونکہ وہ بڑی شان والوں کی نظر میں بھی سرمایۂ ناز ہیں۔

ترانۂ مسرت فی ذکر خاتون جنت

سیدتنا اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نغمہ سرا ہیں

خوشی و مسرت کے اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترانۂ مسرت سنا رہی تھیں۔

یا نسوة استزن بالمهاجر
واذکرن ما نحسن فی المحاضر

اے خواتین! اوڑھنیاں اوڑھ لو اور حاضرین کے شایانِ شان باتیں کرو

واذکرن رب الناس ادفعنا
بدینه مع کل عبد شاکر

اور پروردگار عالم کا ذکر کرو' کیونکہ اس نے ہر شکر گزار بندے کو اپنے دین کی نعمت سے نوازا ہے۔

والحمد لله علیٰ افضاله
والشکر لله العزیز القادر

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے اس کے احسانات کی وجہ سے اور شکر گزاری اسی قادر غالب ہستی کے لئے ہے۔

سرن بها فالله اعطی ذکرها

وحصها منه بطهر طاهر

اس محترمہ کے ساتھ چلو جس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند کر دیا اور جسے حقیقی پاکیزگی بخشی ہے۔

جہیز

سرکارِ مدینہ راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی لخت جگر شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو جہیز دیا۔ مختلف روایات کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱ - ایک بستر مصری کپڑے کا، جس میں اون بھری ہوئی تھی۔
۲ - ایک نقشی تخت یا پلنگ۔
۳ - ایک مشکیزہ۔
۴ - ایک چکی۔
۵ - ایک جائے نماز (مصلیٰ)
۶ - مٹی کے برتن (گھڑا وغیرہ) پانی بھرنے کے لئے۔
۷ - پیالہ
۸ - دو یا تین چادریں۔
۹ - دو بازو بند نقرئی۔
۱۰ - ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

رُخصتی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک چھوٹا سا مکان آستانہء نبوت سے تھوڑے سے فاصلے پر کرایہ پر لے رکھا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ سیدہ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رخصت کر دیا۔

پھر سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"تھوڑا سا پانی لاؤ۔"

پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈال دیا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"قریب آؤ۔"

وہ قریب آئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا۔

"اے خدا میں ان کو اور ان کو اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔

اس کے بعد فرمایا

"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میری طرف پشت کرو۔"

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے مارے اور فرمایا۔

"پانی اور لاؤ۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کیا کریں۔

تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر لایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا:

"میرے سامنے آؤ۔"

میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے اور فرمایا:

اللهم انی اعیذ بك و ذریته من الشیطٰن الرجیم

"اے اللہ عزوجل میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔"

اس کے بعد فرمایا:

بسم الله و البرکته

کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

بعض روایات میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم روز نکاح' سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بعد نماز عشاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے' پھر پانی

کا پیالہ اُٹھا کر اس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ڈال کر معوذ تین اور دعا پڑھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

"اس پانی کو پی جاؤ۔"

اس کے بعد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے وضو کیا اور فرمایا

"اے اللہ عزوجل- یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں' اے رب عزوجل جس طرح تو نے مجھ کو پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاک بنا۔"

اس کے بعد دونوں سے فرمایا:

"اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔"

اور فرمایا:

"اے اللہ عزوجل ان کے درمیان محبت و الفت شامل فرما' اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے اور ان سے پریشانی کو دور فرما' ان کے نصیب کو نیک گردان' ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔"

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا۔

"میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔"

انہوں نے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آپ نے ایسے شخص کے ساتھ

نکاح کر دیا ہے جس کے پاس مال ہے نہ کوئی اور چیز۔"

اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا جن میں سے ایک تمہارے والد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) اور دوسرا تمہارا شوہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)"

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا:

"کیا تم راضی نہیں کہ میں نے تمہارا نکاح اس سے کیا ہے جو از روئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے اور علم کے اعتبار سے سب سے دانا ترین ہے تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح کہ مریم (علیہا السلام) اپنی قوم میں تھیں۔"

طبرانی کی روایت ہے کہ فرمایا:

"میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔"

ولیمہ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالم کا نکاح ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"شادی کے لئے ولیمہ بھی ہونا ضروری ہے۔"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میرے پاس ایک بھیڑ ہے' اس کار خیر میں پیش خدمت ہے۔

اس طرح انصار کے ایک قبیلہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی اور دعوتِ ولیمہ کا انتظام ہوا۔ ایک اور روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ جو درہم باقی رہ گئے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائے اور کہا کہ اس میں چھوہارے اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں بازار گیا۔ پانچ درہم میں گھی چار درہم میں چھوہارے اور ایک درہم پنیر کا خریدا۔ یہ سب چیزیں لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے ان چیزوں کو ملاحظہ فرما کر دستر خوان طلب کیا اور ان کو ملا کر جیس بنایا اور حکم دیا کہ باہر جاؤ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں باہر نکلا اور جو لوگ ملے ان کو اندر بلا کر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ طلب فرمایا اور اس کو جیس سے بھر کر فرمایا:

یہ فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس کے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کو دیا۔ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"جاؤ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا لاؤ۔" وہ اُٹھیں اور جا کر سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ہمراہ لائیں اس وقت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ قریب پہنچیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ بیٹی کو سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

"فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارا شوہر بہت اچھا شوہر ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تمہیں بیٹی مبارک ہو۔

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی
ازدواجی زندگی

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آغوشِ نبوت کے پروردہ تھے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گلشن نبوت کا مہکتا گلاب تھیں۔

سیرت المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عکس جمیل تھی۔

اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر تھیں۔ زوجین ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے اور ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ دونوں کی ازدواجی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ نظیر تھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار کا دل و جان سے احترام کرتی تھیں اور ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتی تھیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی لخت جگر کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ عورت کا سب سے بڑا فرض اپنے شوہر کی اطاعت فرماں برداری ہے اس لئے وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہر طرح اطاعت کریں۔

دوسری طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھا برتاؤ کرو۔

چنانچہ میاں بیوی کے مثالی تعلقات کی وجہ سے ان کا گھر جنت کا نمونہ بن گیا تھا۔

تاہم دو چار مواقع ایسے ضرور پیش آئے جن میں میاں بیوی میں معمولی رنجش پیدا ہو گی۔ انسانی فطرت اور زمانے کے اقتضاء کے پیش نظر میاں بیوی کے تعلقاتِ معاشرت میں ایسے اتفاقات کا پیش آ جانا کوئی انہونی بات نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رنجش بھی محض اتفاقی تھی اور جو نہی حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے مداخلت فرمائی ان کے دلوں میں ملال کا شائبہ تک نہ رہا۔

شوہر باغ میں محنت کرتے تھے۔ نخلستان میں پانی دیتے تھے اور میدان جہاد میں اسلام کا دفاع کرتے تھے۔ بیوی شوہر کے دکھ سکھ کا خیال رکھتی تھی۔ ان کے آرام کی فکر کرتی تھیں اور شوہر کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لئے سعادت سمجھتی تھیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاقِ عظیم کو تعریف قرآن مجید اس طرح بیان ہوئی ہے۔

یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا ☆ ویطعمون الطعام علیٰ حبیہ مسکیناً ویتیما و اسیرا ☆ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزآء ولا شکوراً ☆ انا نخاف من ربنا یوماً عبوساً قمطریراً ☆ فوقھم اللہ شر ذٰلک الیوم ولقھم نضرۃ وسروراً ☆ وجزھم بما صبرو جنۃ وحریراً ☆ (الدھر)

ترجمہ: اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے

ایک مرتبہ زوجین کے درمیان کسی بات پر معمولی رنجش ہو گئی۔ حضور سید

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت روئے انور پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان صلح کروادی۔ جب باہر تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور چہرۂ مبارک فرطِ مسرت اور اطمینان سے چمک رہا تھا۔
صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:

"یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ جب گھر کے اندر گئے تو چہرہ مبارک متغیر تھا اور باہر تشریف لائے ہیں تو بہت خوش اور مطمئن نظر آرہے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے ان دو شخصوں کے درمیان صلح صفائی کرادی جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔"

اسی طرح ایک بار اور زوجین میں کچھ رنجش ہو گئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ناراض ہو کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی آگئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شکایت پیش کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹی ذرا خیال کرو ایسا کون سا شوہر ہے جو اپنی بیوی کے پاس اس طرح خاموش چلا آتا ہے۔"

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹی میری بات غور سے سنو' کوئی میاں بیوی ایسے نہیں ہیں جن کے درمیان کبھی اختلاف رائے پیدا نہ ہو اور کون مرد ایسا ہے جو ہر کام

بیوی کے مزاج کے مطابق ہی کرتا ہے اور اپنی بیوی کو کسی بات پر ناخوشی کا اظہار نہیں کرتا۔"

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا:

"خدا کی قسم! آئندہ میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کروں گا' جو تمہارے مزاج کے خلاف ہو یا جس سے تمہاری دل شکنی ہو۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ

ایک مرتبہ ابو جہل کے بھائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو غوراء بنت ابی جہل سے نکاح کی ترغیب دلائی اور انہوں نے اس کی حامی بھر لی۔ چنانچہ غوراء بنت ابی جہل کے سرپرست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس نکاح کی اجازت لینے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"بنی ہشام بن مغیرہ' علی (رضی اللہ عنہ) سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لیکن میں اجازت نہیں دوں گا' کبھی نہیں دوں گا۔ البتہ علی (رضی اللہ عنہ) میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔"

اس کے بعد اپنی دوسری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ بن ربیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلا دیا اور جو وعدہ کیا وفا

کیا اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا لیکن
خدا کی قسم اللہ کے رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور
اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔"

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح ناراض دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے غوراء بنت ابی جہل سے نکاح کا ارادہ فوراً ترک کر دیا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں کسی دوسرے نکاح کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت ہے جس کے راوی حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد ہیں' روایت کرتے ہیں کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

"تمہارے ابن عم کہاں ہیں؟"

بولیں

"مجھ میں اور ان میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا' وہ غصہ میں چلے گئے ہیں اور دوپہر کو یہاں نہیں لیٹے۔"

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"دیکھو وہ کہاں ہیں؟"

اس صحابی نے آکر خبر دی کہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ دیکھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم لیٹے ہوئے ہیں۔ پہلو سے چادر ہٹ گئی تھی اور مٹی جسم میں

لگ گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے

اٹھو! ابوتراب' اٹھو! ابوتراب۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے ساتھ گھر لائے اور دونوں میاں بیوی میں صلح کرادی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ابوتراب' کہلایا جانا عمر بھر بہت محبوب رہا۔

متذکرہ بالا چند ایک واقعات کے سوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی ہمیشہ نہایت خوشگوار رہی اور ان کا گھر پاکیزگی' اطمینان' سادگی' قناعت اور سعادت کا گہوارہ بنا رہا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زوجین کے درمیان گھریلو کاموں کی تقسیم فرمادی تھی۔ چنانچہ گھر کے اندر جتنے کام تھے' مثلاً چکی پیسنا' جھاڑو دینا' کھانا پکانا وغیرہ' وہ سب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذمہ تھے اور باہر کے سب کام مثلاً بازار سے سودا سلف لانا' اونٹ کو پانی پلانا وغیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ذمہ تھے۔ اس طرح ان کی ازدواجی زندگی میں نہایت خوشگوار توازن پیدا ہو گیا تھا۔

ایک بار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخار ہو گیا۔ رات انہوں نے سخت بے چینی میں کاٹی' حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بیان ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاگتا رہا' پچھلے پہر ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ فجر کی اذان سن کر

بیدار ہوا تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وضو کر رہی ہیں۔ میں نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی' واپس آیا تو دیکھا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) معمول کے مطابق چکی پیس رہی ہیں۔ میں نے کہا: فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنے حال پر رحم کرو۔ رات بھر تمہیں بخار رہا ہے' صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا۔ اب چکی پیس رہی ہو۔ خدا نہ کرے زیادہ بیمار ہو جاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سر جھکا کر جواب دیا:

"اگر میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مر بھی جاؤں تو کچھ پرواہ نہیں' میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اللہ عزوجل کی اطاعت کے لئے اور چکی پیسی آپ کی اطاعت اور بچوں کی خدمت کے لئے۔"

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جب کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسن معاشرت کیسا تھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں اگرچہ وہ دنیا سے چلی گئیں مگر اس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے' اس نے اپنی زندگی میں مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

شمائل وفضائل

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صورت اور گفتار و رفتار سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ ملتی جلتی تھی۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ظاہری و باطنی اوصاف ان کی ذات میں موجود تھے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ شکل و صورت میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی والدہ ماجدہ سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت مشابہ تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ میں نے طور ر طریق کی خوبی' اخلاق و کردار کی پاکیزگی' نشست و برخاست' طرزِ گفتگو اور لب ولہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی رفتار بھی بالکل رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ تھیں۔

ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن ہم سب ازواج آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سامنے سے آئیں' بالکل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چال تھی۔ اس میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے تپاک سے بلا کر اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ رونے لگیں۔ ان کو روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا۔ وہ ہنسنے لگیں۔

میں نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہا' فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام ازواج کو چھوڑ کر تم سے اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے تو

میں نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے واقعہ (رونے اور ہنسنے کا سبب) پوچھا۔ انہوں نے کہا، میں ابا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا راز فاش نہیں کروں گی۔

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصالِ ظاہری فرمایا تو میں نے فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہا:

فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم پر جو حق ہے میں تم کو اس کا واسطے دے کر کہتی ہوں کہ اُس دن کی بات مجھ سے کہہ دو۔ انوں نے کہا: ہاں! اب ممکن ہے میرے رونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جلد وصال ظاہری کی خبر دی تھی اور ہنسنے کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیشہ سچی اور صاف بات کہتی تھیں۔ ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی صدق مقالی اور صاف گوئی کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:

> "میں نے فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے والد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ سچا اور صاف گو کسی کو نہ دیکھا۔"

علم و فضل

سید تنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چونکہ کچھ زیادہ عمر نہیں پائی اس لئے حدیث روایت کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ ان سے صرف اٹھارہ یا انیس احادیث مروی ہیں۔ ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت علی' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت انس بن مالک' حضرت ام ہانی اور حضرت سلمٰی' ام رافع رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں۔

امام دار قطنی نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث پر مشتمل ایک کتاب تیار کی تھی۔ جس کا نام "مسند فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)" رکھا تھا۔

سید تنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تفقہ فی الدین سے بھی بہرہ ور تھیں۔ مسند احمد بن حنبل (رحمتہ اللہ علیہ) میں ہے کہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد سنا تھا۔ جس سے وہ سمجھی تھیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن اقدس پکڑ کر عرض کی:

"ابا جان! وضو کر لیجئے۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جان پدر، وضو کی ضرورت نہیں، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔"

ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

"بیٹی ذرا بتاؤ تو عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے؟"

]نے جواب دیا:

"عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔"

رسول پاک ﷺ کی فرمانبرداری

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ایک مسلمان خاتون ہونے کی حیثیت سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد بھی تھیں اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی بھی تھیں۔ ان دونوں حیثیتوں میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا جزو ایمان سمجھتی تھیں وہ ہر کام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتیں، ہر عمل اسی طرح سرانجام دیتیں جس طرح حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرانجام دیتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ، حکم یا ارشاد سن پاتیں تو اس کو حرزِ جان بنالیتیں اور اسی کے مطابق عمل کرتیں۔

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو کہیں سے کچھ رقم مل گئی۔ قیاس میں ہے کہ مالِ غنیمت سے ملی ہوگی۔ انہوں نے اس رقم سے سونے کا ایک ہار خرید لیا اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا لوگوں سے یہ کہلانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے۔"

دوسری روایت میں یوں ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا:

"فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم یہ ہار پہنے ہوئے ہو لوگ دیکھیں گے تو کیا یہ نہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی مغرور امیروں کے سے زیور پہنتی ہے۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو اسی وقت ہار گلے سے اتار دیا پھر اس کو فروخت کر کے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا۔

محدثین نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "سونے کے ہار" کو "آگ کا ہار" کیوں قرار دیا؟ حالانکہ عورتوں کے لئے سونے کے زیور پہننا جائز ہے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں تھا کہ نبوت کے گھرانے کے لوگ پر تکلف لباس پہنیں یا قیمتی زیور استعمال کریں اور نمود و نمائش سے کچھ واسطہ رکھیں۔

ایک مرتبہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراجعت کی خوشی میں یا خیر مقدم کے طور پر گھر کے دروازے پر نقشیں پردہ لٹکا دیا اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمول کے مطابق سب سے پہلے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر کے دروازے پر پردہ اور بچوں کے ہاتھ میں نقرئی کنگن دیکھے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے بغیر واپس تشریف لے گئے۔ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپسی کا سبب سمجھ گئیں۔ انہوں

نے فوراً پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے۔ وہ روتے ہوئے نانا جان راحت قلب و جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا:

"یہ میرے گھرانے والے (اہل بیت) ہیں' میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف (زرق برق آرائش) سے آلودہ ہوں۔ ان کے بدلے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے عصیب کا ہار اور نقرئی کنگنوں کی جگہ ہاتھی دانت کے دو جوڑے کنگن خرید لاؤ۔" (ابوداؤد' نسائی)

الغرض! سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی اور منشا کے مطابق عمل کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاجوئی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتی تھیں۔

شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باہم محبت

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے انتہا محبت تھی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جب کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مل کے جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آکر ملتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازراہِ محبت کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتی۔ محبت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رخصت ہوتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو خاندان بھر میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے ملاقت کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر رنج وراحت میں شریک ہوتے اور تقریباً ہر روز ان کے گھر جاتے' ان کی خبر گیری کرتے' کوئی تکلیف ہوتی تو اسے دور کرنے کی کوشش فرماتے اگر سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں فقروفاقہ ہوتا تو بیٹی کے گھر میں بھی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی چیز پکتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے کچھ نہ کچھ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بھجواتے۔ اگر کہیں سے کوئی کھانے پینے کی چیز آ جاتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حصہ ضرور نکالتے اور ان کو بھجوادیتے۔ کہیں سے کپڑا آتا تو وہ بھی بقدرِ مناسب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیجتے۔ اگر کہیں دعوت پر تشریف لے جاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر میں بھوکی ہوتیں تو میزبان کی اجازت سے ان کے لئے کچھ کھانا بھیج دیتے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ جب کبھی سفر سے واپس ہوتے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے اس کے بعد اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاتے پھر ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے یہاں۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے گھر کے دروازہ پر آ گئیں۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چہرۂ مبارک چومنا شروع کر دیا۔ (بروایت دیگر آنکھ اور دہن مبارک کو چوما) اور رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا روتی کیوں ہو؟

عرض کیا "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ مشقت سے متغیر اور پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر رونا آ گیا۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) گریہ وزاری نہ کر تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے کام کے لئے بھیجا ہے کو روئے زمین پر کوئی اینٹ اور گارے کا مکان اور نہ کوئی اونی سوتی خیمہ بچے گا جس میں اللہ تعالیٰ یہ کام (دین اسلام) نہ پہنچا دے اور یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک دن اور رات کی پہنچ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاقہ سے ہیں تو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"جانِ پدر یہ پہلا کھانا ہے جس کو تین کے بعد تیرا باپ کھائے گا۔"

طبرانی میں یہ اضافہ ہے

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو کی روٹی کا ٹکڑا دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: "بیٹی یہ کیا ہے؟"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا

"ابا جان' یہ ٹکیہ ہے جس کو میں نے پکایا تھا' میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں اکیلی یہ ٹکیہ کھالوں' اس میں سے یہ ٹکڑا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی ہوں۔"

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ خندق میں گھر کے مرد میدان میں تھے۔ ایک دن سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روٹی پکائی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی دن سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے' بیٹی کی محبت پر خوش ہو کر فرمایا:

"جان پدر! آج تین دن کے بعد یہ لقمہ مجھے ملا ہے۔"

غزوۂ احد (۳ ہجری) میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات (غلط) مشہور ہو گئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ (جھوٹی) خبر مدینے پہنچی تو خواتین فرطِ غم سے نڈھال ہو گئیں اور بے اختیار گھروں سے نکل پڑیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان میں شامل تھیں۔ وہ میدانِ جنگ میں پہنچیں تو دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخمی ہیں اور چہرۂ مبارک اور سر اقدس سے خون جاری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخم دھونے لگیں۔ پانی ڈالنے سے خون زیادہ بہنے لگا۔ چنانچہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی ڈالنا بند کر دیا۔ چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا اور اسے زخم میں بھر دیا۔ اس طرح خون بند ہو لیا۔

اس سلسلہ میں کچھ روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں کہ:

ایک روایت یوں ہے کہ

سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت

میں میدانِ جنگ میں تشریف لے گئیں اور وہاں مجاہدین (زخمیوں) کو پانی پلاتی رہیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔

دوسری روایت یوں ہے کہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے مبارک کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کی۔

تیسری روایت اس طرح ہے کہ

غزوۂ احد کے وقت سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اور وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں تھے اس کے باوجود وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کی خبر سنتے ہی میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم دھوئے اور مرہم پٹی کی۔

۸ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ فتح مکہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ گئیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں ان کی موجودگی کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے:

"ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور میں آپ کے دائیں جانب تھی۔ پس ایک لونڈی ایک برتن لے کر حاضر ہوئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی۔ لونڈی نے وہ برتن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوڑا سا پی لیا اور پھر مجھے دے دیا۔
میں نے اس کو پی لیا اور پھر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم میں روزہ سے تھی اور میں نے پانی پی لیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے پوچھا: کیا تم نے کوئی قضا روزہ رکھا تھا؟ میں نے کہا
"نہیں"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اگر یہ روزہ نفل تھا تو کچھ حرج نہیں۔"

حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حکم دیا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر کے سوا ایسے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا دروازہ باقی رکھا گیا۔

ازواجِ مطہرات (رضوان اللہ علیہن) سے محبت

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ معظمہ میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ (۱۰ نبوت)۔ سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اپنی شادی سے پہلے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان دونوں ماؤں کے ساتھ بڑے پیار اور محبت سے رہیں۔ آگے چل کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور کئی عقد کیے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہو چکی تھی۔ تاہم ان کے تمام اپنی ماؤں کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات تھے۔ سبھی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزل تھی۔ اور سبھی ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے خاص تعلق خاطر تھا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعدد فضائل و مناقب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے مروی ہیں۔

سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے اہتمام میں خاص حصہ لیا۔ وہ خود بیان

فرماتی ہیں۔

"عقد کے بعد فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے ایک مکان تجویز کیا گیا۔ ہم نے بطحا کے کنارے سے نرم مٹی منگوائی اور اپنے ہاتھوں سے اس میں بچھائی' فرش تیار کیا۔ لپای کی' پھر کھجور کی چھال اپنے ہاتھوں سے مل کر دو تکیے کئے۔ چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے۔ لکڑی کی ایک الگنی تیار کی تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا۔"

شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس مکان میں گئیں اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس سے کبھی کبھی باہم بات چیت ہو جاتی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ

ایک مرتبہ سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی کی درخواست کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں لیکن اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں۔

ایک مرتبہ ایک تابعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

"اے ہماری ماں یہ تو بتایئے رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟"

فرمایا:

"فاطمہ"(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور دونوں میں بڑی محبت اور میل ملاپ تھا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان دونوں کے دل باہم صاف نہیں تھے۔ ان کے اس اِدعاء کی تائید میں کوئی ایک بھی مستند اور صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے محبت

اسلام میں صلہ رحمی کی بہت تاکید کی گئی ہے اور عزیز و اقارب سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سچی مومنہ تھیں اس لئے وہ اپنے تمام اعزہ و اقرباء سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان سے حسن سلوک اور احسان و مروت سے پیش آتی تھیں۔ اپنی ساس حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حقیقی ماں کی طرح جانتی تھیں اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتی تھیں۔ خود حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے۔

"جس قدر میری خدمت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی ہے شاید ہی کسی بہو نے اپنی ساس کی اتنی خدمت کی ہو۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲ ہجری میں وفات پائی تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ وہ قبر کے پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور تسلی دیتے جاتے تھے۔

سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حقیقی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی نے غزوۂ موتہ میں شہادت پائی تو ان کو شدید صدمہ ہوا۔ ان کی شہادت کی خبر سن کروہ

"واعماہ واعماہ"

"ہائے میرے چچا چچا"

کہہ کر روتی ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچشم پرنم فرمایا:

"بے شک جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"دیکھو بیٹی! زبان سے کچھ نہ کہنا اور سینہ کوبی کرنا۔"

اس کے بعد اپنی لخت جگر سے فرمایا:

"فاطمہ! جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بچوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آج سخت غمزدہ ہے۔"

غرض سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تمام اعزہ واقرباء سے نہایت اچھے تعلقات تھے وہ ان سب کے ساتھ محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتی تھیں اور ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتی تھیں۔ وہ سب بھی سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی قدرومنزلت کرتے تھے اور ان سے بڑی محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

انسانی ہمدردی

رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت نے سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ وہ بے حد مصروف خاتون تھیں۔ خانہ داری' بچوں کی نگہداشت' شوہر کی خدمت اور عبادت سے انہیں کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت بالکل نہ ملتی تھی' لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد

"احسن الناس خادم الناس"

(لوگوں میں سب سے بہتر وہ انسان ہے جو دوسروں کی خدمت بجالاتا ہے)

کے پیش نظر ہر وقت مخلوقِ خدا کی خدمت پر کمربستہ رہتی تھیں اور ہمسایوں کے دکھ درد میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

شرم وحیا

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ کی نہایت پابند تھیں اور حد درجہ حیادار تھیں۔ ایک بار سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"بیٹی عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔"

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

"عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔"

ایک مرتبہ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی لونڈی طلب کریں۔ لیکن فرط حیا سے دل کی بات زبان پر نہ لا سکیں اور بغیر کچھ کہے واپس آ گئیں۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اندر چلے گئے۔ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں دیکھ کر کوٹھڑی میں چھپ گئیں۔ جب وہ چلے گئے تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"بیٹی تم چھپ کیوں گئیں ؟ابن ام مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو نابینا ہیں"
حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا"
"بابا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نابینا ہیں تو میں تو ایسی نہیں ہوں
کہ خواہ مخواہ غیر مرد کو دیکھا کروں۔"

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرم و حیا کی انتہا یہ تھی کہ عورتوں کا جنازہ پر بغیر پردہ کے نکلنا پسند نہ تھا۔ اسی بنا پر اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ میرے جنازے پر کھجور کی شاخوں کے ذریعے کپڑے کا پردہ ڈال دیا جائے اور جنازہ رات کے وقت اٹھایا جائے تاکہ اس پر غیر مردوں کی نظر نہ پڑے۔

ایثار و سخاوت

ایک دفعہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک بہت بوڑھے آدمی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دین کے ضروری احکام و مسائل بتائے اور پھر ان سے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے۔"

انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) قسم ہے اللہ (عزوجل) کی بنو سلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سے سب سے زیادہ غریب اور محتاج میں ہی ہوں۔"

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کرے گا؟"

حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اٹھے اور کہا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے؟"

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اٹھے اور اپنا عمامہ اتار کر نومسلم اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کون ہے جو اس کی خوراک کا بندوبست کرے؟"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو ساتھ لیا اور ان کی خوراک کا انتظام کرنے لگے۔ چند گھروں سے دریافت کیا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔ آخر سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

"کون ہے؟"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور التجا کی "اے سچے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی! اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجئے۔"

سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

"اے سلمان خدا کی قسم! آج سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں' لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گیا' جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی یہ چادر رکھ لو اور اس کے عوض اس مسکین کو کچھ خوراک دے دو۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعرابی کو ساتھ لے کر شمعون کے پاس پہنچے اور اس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ دریائے حیرت میں غرق ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا ھلاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ

وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

"اے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے باپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لایا۔"

اس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور چادر بھی واپس بھیج دی۔ وہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اناج پیسا اور جلدی سے اعرابی کے لئے روٹیاں پکا کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیں۔ انہوں نے کہا:

"اے میرے آقا کی لخت جگر ان میں سے کچھ بچوں کے لئے رکھ لیجئے۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

"اے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو چیز میں راہِ خدا میں دے چکی وہ میرے بچوں کے لئے جائز نہیں۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روٹیاں لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ روٹیاں اعرابی کو دے دیں اور پھر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

"یاالٰہی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیری بندی ہے اس سے راضی رہنا۔"

ایک دفعہ کسی نے سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہو گی؟

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

"تمہارے لئے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سارے ہی راہِ خدا میں دے دوں۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک وقت کے فاقہ کے بعد ہم سب کو کھانا میسر ہوا۔ والد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میں کھا چکے تھے لیکن والدہ ماجدہ نے ابھی نہیں کھایا تھا۔ انہوں نے ابھی روٹی پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ دروازے پر ایک سائل نے صدا دی۔

"اے اللہ کے رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹی میں دو وقت سے بھوکا ہوں' میرا پیٹ بھر دو۔"

والدہ محترمہ نے فوراً کھانے سے ہاتھ اٹھالیا اور مجھ سے فرمایا:

"جاؤ یہ کھانا سائل کو دے آؤ' مجھے تو ایک ہی وقت کا فاقہ ہے اور اس نے دو وقت سے نہیں کھایا۔"

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

"میں بھوکا ہوں۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا پھر باقی اناج میں سے کچھ حصہ پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اس مرتبہ ایک مشرک قیدی نے اللہ

(عزوجل) کی راہ میں کھانا مانا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا۔ غرض! سب اہل خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس گھر کے قدسی صفات مکینوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْراً (الدھر)

اور وہ اللہ (عزوجل) کی راہ میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

زُہد و تقویٰ

ایک دفعہ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسجد نبوی شریف میں تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا:

"یہ کہاں سے آیا ہے۔"

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"ابا جان! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تھوڑے سے جو پیس کر روٹی پکائی تھی۔ جب بچوں کو کھلا رہی تھی۔ خیال آیا کہ ابا جان کو بھی تھوڑی سی کھلا دوں۔ معلوم نہیں وہ کس حال میں ہوں۔ اے اللہ کے برحق رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے۔"

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روٹی تناول فرمایا اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے میری بچی چار وقت کے بعد یہ روٹی کا پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں پہنچا ہے۔"

ایک دفعہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہو گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانثار حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین کو ساتھ لیا اور اپنی لختِ جگر کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر داخلے کی اجازت مانگی۔

اندر سے سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز آئی "تشریف لائیے۔"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے ساتھ عمران بن حصین بھی ہیں۔" (رضی اللہ عنہ)

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "ابا جان! اس اللہ عزوجل کی قسم! جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے کہ پردہ کروں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک دی اور فرمایا: "بیٹی اس سے پردہ کرلو۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لے گئے اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا حال پوچھا۔ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی "ابا جان شدت درد سے بے چین ہوں اور بھوک سے نڈھال ہوں کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میری بچی! صبر کر' میں بھی آج تین دن سے بھوکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میں کچھ مانگتا وہ ضرور مجھے عطا کرتا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دست شفقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پشت پر پھیرا اور فرمایا:

> "اے لخت جگر دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہو' تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔"

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ شام کے قریب ایک تاجر کے اونٹ آئے اسے اونٹوں سے سامان اتروانے کے لئے ایک مزدور کی ضرورت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور پہر رات تک اس

کے اونٹوں کا سامان اتارا۔ تاجر نے ایک درہم محنت کا معاوضہ دیا۔ چونکہ رات زیادہ آچکی تھی اس لئے خورد و نوش کی دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ تاہم ایک دکان سے جو مل گئے۔ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک درہم کے جو لے کر آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیر سے راہ تک رہی تھیں۔ شوہر نامدار کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں جو ان سے لے کر چکی میں پیسے، پھر ان کو گوندھا، آگ جلائی اور روٹی پکا کر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قولِ مبارک یاد آیا کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہے۔

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے بھی یہی حال تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھوک کی حالت میں کاشانہ اقدس کی حالت میں، راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے۔ اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقے سے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوروں کے باغ میں لگے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اہلاً و سہلاً کہا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: "ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟"

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ مکان کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سنی تو کھجوروں کا گچھا توڑ کر

بے تابانہ دوڑتے ہوئے گھر پہنچے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا' اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ آدھے گوشت کا سالن پکوایا اور آدھے کے کباب بنوائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا: "اسے فاطمہ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔"

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل ارشاد کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رفقائے کرام کے ساتھ کھانا کھایا۔ پر تکلف کھانا کھاتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیاوی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا' (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے پاس آکر دریافت فرمایا: "میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہاں ہیں؟" میں نے عرض کیا "ابا جان! آج صبح ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی' علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ میں ان دونوں بچوں کو لے کر فلاں یہودی کے پاس (مزدوری کے لئے) جا رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ یہ بچے کھانے کے لئے روئیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ دونوں بچے ایک حوض کے پاس کھیل رہے ہیں اور ان کے قریب چند کھجوریں پڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے علی! (رضی اللہ عنہ) اس سے پہلے کہ دھوپ تیز ہو جائے ان بچوں کو گھر لے جاؤ۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم صبح سے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے تشریف رکھیں میں درخت سے گری ہوئی کھجوریں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی چن لوں۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے رک گئے اور اس اثناء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے لئے کھجوریں چن کر ایک کپڑے میں ڈال دیں اور چل پڑے۔ بچوں میں سے ایک کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھا لیا اور ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور اسی طرح سب گھر پہنچے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم پر کئی دن ایسے گزر گئے کہ نہ تو ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس' اسی زمانے میں ایک دن میں کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک دینار پڑا پایا۔ تھوڑی دیر میں نے سوچا کہ اسے اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔ آخر میں نے اسے اٹھا لیا کیونکہ سخت مصیبت (تنگدستی) میں مبتلا تھا۔ اسے لے کر ایک دکاندار کے پاس آیا اور آٹا خرید کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گیا اور ان سے کہا' اسے گوندھو اور روٹی پکاؤ۔ انہوں نے آٹا گوندھنا شروع کیا۔ اس وقت بھوک کی وجہ سے ان کی کمزوری کی یہ کیفیت تھی کہ کمر جھک گئی تھی۔ اور ان کی پیشانی کے بال لگن تک پہنچ رہے تھے۔ بہر حال انہوں نے جوں توں کر کے آٹا گوندھا اور روٹی پکائی پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کھا لو اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ رزق دیا ہے۔

ایک دن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سیدہ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں

بھی تیرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا:
''فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اجر دے۔''

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ سامنے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور بالکل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ذرا قریب آؤ۔'' یہ ذرا قریب ہوئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر فرمایا' اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) قریب ہو' یہ ذرا اور قریب ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) قریب ہو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور قریب ہو گئیں اور ان کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور خون نہیں رہ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں پھیلائیں پھر اپنی ہتھیلی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینے پر رکھی اور اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا: اے میرے اللہ! بھوکے پیٹ کو بھر دینے والے اور حاجت کو پورا کرنے والے اور گرے ہوئے کو بلند کرنے والے' فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھوکا نہ رکھ۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے پر جو پیلا پن تھا وہ جاتا رہا اور خون ظاہر ہو گیا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے عمران (رضی اللہ عنہ) مجھے اس وقت سے بھوک نے کبھی نہیں ستایا۔

عبادت اور شب بیداری

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ وہ قائم الیل اور دائم الصوم تھیں۔ خوفِ الٰہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی تھیں۔ مسجد نبوی کے پہلو میں گھر تھا۔ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات و مواعظ گھر بیٹھے سنا کرتی تھیں۔ ان میں عقوبت اور محاسبہ آخرت کا ذکر آتا تو ان پر ایسی رقت طاہری ہوتی کہ روتے روتے غش آ جاتا تھا۔ تلاوت قرآن کرتے وقت عقوبت و عذاب کی آیات آ جاتیں تو جسم اطہر پر کپکپی طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔

زبان پر اکثر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی جاتی تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عبادت کرتی تھیں لیکن گھر کے کام دھندوں میں فرق نہ آنے دیتی تھیں۔

سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کو گھر کے کام دھندوں سے فرصت پانے کے بعد صبح سے شام تک محراب عبادت میں اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے، نہایت خشوع و خضوع کے

ساتھ اس کی حمد و ثناء کرتے اور دعائیں مانگتے دیکھا کرتا تھا۔ یہ دعائیں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے مانگتی تھیں۔

عبادت کرتے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نورانی چہرہ زعفرانی ہو جاتا تھا۔ جس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکثر مصلیٰ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میری مادرِ گرامی نماز کے لئے گھریلو مسجد کی محراب میں کھڑی ہوتیں اور ساری رات نماز میں مشغول رہیں۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ مادر گرامی نے مومنین اور مومنات کے لئے بہت دعائیں مانگیں مگر اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگی۔

میں نے عرض کیا "اماں جان! آپ نے سب کے لئے دعا مانگی لیکن آپ نے اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگی؟"

فرمایا: "بیٹا! پہلا حق باہر والوں کا ہے اس کے بعد گھر والوں کا۔"

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری ساری رات نماز میں گزار دیتی تھیں۔

بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی عبادت الٰہی کو ترک نہ کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے احکام کی تکمیل اس کی رضاجوئی اور سنت نبوی کی پیروی ان کے رگ و پے میں سما گئی تھی۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اور گھر گرہستی کے کام کاج کرتے ہوئے بھی ایک اللہ (عزوجل) کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان کا لقب بتول پڑ گیا تھا۔

تھکن دور کرنے کا نسخہ

جس زمانے میں فتوحات اسلام روز بروز وسعت پذیر ہو رہی تھیں' مدینہ منورہ میں بکثرت مال غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ فاتح کو لڑائی کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آتا اس کا تین چوتھائی لشکر کا حصہ ہوتا اور ایک چوتھائی فریق غالب کے سردار کا' رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم الٰہی اِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنَ.

یعنی اے مسلمانو! جان لو کہ جو مال تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا حق ہے) کے مطابق اس رواج میں تبدیلی کر دی گئی اور صرف پانچواں حصہ اپنے پاس رکھ کر چار حصے عامۃ المسلمین میں تقسیم کر دیتے اپنا حصہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب راہِ خدا میں صرف کر دیتے اور فقر و فاقہ اور قناعت سے اپنی زندگی گزارنے حتیٰ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اپنی لخت جگر فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسائش کا کوئی انتظام نہ فرمایا' اگر کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اشارۃً کنایۃً لونڈی یا کپڑے کے لئے استدعا کرتیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے بیٹی فقرا اور یتامٰی کا حق پہلے ہے' کبھی ان کی دوسرے طریقوں سے

سمجھا بجھا کر تسلی و تشفی فرما دیتے۔

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں کچھ غلام اور لونڈیاں آئیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"فاطمہ چکی پیستے پیستے تمہارے ہاتھوں میں آبلے (گٹے) پڑ گئے ہیں اور چولہا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ آج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں' جاؤ اپنے ابا جان سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔"

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن شرم و حیا حرف مدعا زبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر بارگاہِ نبوی میں حاضر رہ کر گھر واپس آ گئیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کنیز مانگنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ دوسرے دن دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم کو کوئی لونڈی خدمت کے لئے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحاب صفہ کی خورد و نوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرنا ہے میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر فقر و فاقہ اختیار کیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر دونوں میاں بیوی خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی مانگنے کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وہاں

لوگوں کا مجمع دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکیں کیونکہ ان کے مزاج میں شرم وحیا بہت زیادہ تھی۔ آخر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی ضرورت کا اظہار کر کے آ گئیں۔ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچائی تو دوسرے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

"فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کل تم کس غرض سے میرے پاس گئی تھیں۔"

سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرم کے مارے اب بھی کچھ عرض نہ کر سکیں' اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حالت ہے کہ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ مشک بھرنے سے سینے پر رسی کے نشان ہو گئے ہیں۔ ہر وقت گھر کے کاموں میں مصروف رہنے سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں' کل میں نے ان سے کہا تھا کہ آج کل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت میں لونڈیاں آئی ہوئی ہیں تم جا کر اپنی تکلیف بیان کرو اور ایک لونڈی مانگ لاؤ تاکہ تمہاری تکلیف کچھ ہلکی ہو جائے۔ یہی درخواست لے کر یہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔"

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹی بدر کے شہیدوں کے یتیم تم سے پہلے مدد کے حقدار ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم جس چیز کی خواہش مند تھیں اس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ' الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت 33 مرتبہ سبحان اللہ' 33 مرتبہ الحمد للہ' اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو' یہ عمل

تمہارے لئے لونڈی اور غلام سے بڑھ کر ثابت ہوگا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی حال میں راضی ہوں۔" (عزوجل)

کائنات کی افضل ترین خواتین

حضرت مریم و فاطمہ و عائشہ و خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں افضل کون ہیں؟اس بارے میں اختلاف ہے اور اس موضوع پر قلم اٹھانا بہت مشکل ہے۔ اس بارے میں صاحب تفسیر نعیمی نے جو بحث قلمبند کی ہے اس کو لکھ رہا ہوں۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں میں افضل کون ہے؟ بعض نے فرمایا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے افضل ہیں بلکہ بعض کے نزدیک وہ نبی ہیں کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور عالم مطلق سے فقط رائے سے اس کو خاص نہیں کر سکتے۔

نیز ابن جریر نے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے فاطمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا باقی تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔"

ابن عساکر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جنتی عورتوں کی سردار مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ابن ابی شیبہ نے ابن کہول سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

"اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے افضل قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر مہربان اور شوہر کی خیر خواہ ہیں اور اگر ہمیں تحقیق ہوتی کہ مریم بنت عمران (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اونٹ پر سوار ہوئی ہیں تو ہم ان پر کسی کو بزرگی نہ دیتے۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور باقی مذکورہ عورتوں کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل نہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن شریف میں کلام فرمایا' ان عورتوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش رب تعالیٰ نے کی اور ان خواتین کی پرورش ان کے والدین نے کی۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جنتی میوے آئے ان کے پاس نہ آئے۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض و نفاس سے پاک رہیں مگر حضرت عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما میں یہ خصوصیت نہیں۔

ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سب سے افضل ہیں۔

بعض نے فرمایا کہ

حضرت فاطمۃ الزہراء' عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نہ صرف حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ اولین و آخرین تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے

اے نبی آخرالزمان! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عورتو! تم کسی عورت کی مثل نہیں سب سے افضل ہو۔ (القرآن)

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اے محبوب! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گھر والو رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور فرمائے اور تمہیں ظاہر و باطن ہر طرح خوب پاک فرمادے۔ (القرآن)

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمران (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی منظور نظر مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الانس والجان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی لخت جگر، علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ مطہرہ، سید الشہداء (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی والدہ محترمہ۔ یہ اوصاف حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ فرمانا:

واصطفك على نساء العالمين

ایسا ہی ہے کہ جیسے بنی اسرائیل سے فرمایا گیا تھا

وانی فضلتکم علی العالمین

اور جیسے اُس زمانہ میں بنی اسرائیل دوسری قوموں سے افضل تھے ایسے ہی اس وقت کی ساری عورتوں سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑھ چڑھ کر تھیں۔ مثلاً اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنتی پھل ملے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو جنتی پانی پلایا گیا اور وہاں کی نعمتیں کھلائی گئیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ ایک پیالہ پانی سے چودہ سو پیاسے سیر ہوئے۔

ایک گلاس دودھ سے ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سیر ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر چار سیر جو سے سارے لشکر والوں بلکہ تمام مدینہ والوں کا پیٹ بھر گیا۔

یہ پانی، دودھ، گوشت، آٹا وغیرہ کہاں سے آرہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا رابطہ جنت سے فرمادیا تھا، وہاں کی یہ نعمتیں تھیں۔ اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زکریا علیہ السلام نے پرورش فرمایا تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں پلیں اور پروان چڑھیں۔

اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں تو فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی اور عزت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل اصول۔

یہ سارا باغ انہیں کا ہے اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملائکہ نے کلام کیا تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جبرئیل امین علیہ السلام نے سلام کیا۔ غرضیکہ کلی عظمت ان عورتوں کو حاصل ہے۔ ہاں! حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جزوی طور پر افضل ہیں۔

مقاتل نے روایت کی کہ چار عورتیں جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔

1- مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہا

2- آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

3- خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

4- فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اور ان میں افضل فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہمت لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں گویائی بخش کر ان کی عظمت کی گواہی دلوادی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بھی ایک شیر خوار بچے ہی کے ذریعے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی گئی مگر جب سید تنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہمت لگی تو ہو سکتا تھا کہ وہاں بھی کسی شیر خوار بچے سے یا لکڑی' پتھر' درخت وغیرہ کو گویائی بخش کر گواہی دلوادی جاسکتی تھی مگر ایسانہ کیا بلکہ رب تعالیٰ نے خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کاذکر فرمایااور آپ کی پاک دامنی 'عصمت' جنتی ہونے کی گواہی اس طرح دی کہ سورہ نور میں اٹھارہ آیتیں اتاریں۔ بعض میں آپ کی پاک دامنی کاذکر فرمایااور تہمت لگانے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا۔ یہ فرق کیوں ہے؟اس فرق ومراتب کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضیلت مطلقہ ثابت ہو کہ ان کا گواہ شیر خوار بچہ اور صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گواہ خود رب العالمین۔

حضرت عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ بعض کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل۔ اس لئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ آپ کی شرافت اصلی ذاتی ہے اور سب کی عارضی۔

چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر موجود کے سردار اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جزو۔ لہٰذا جو کل کا حال وہ جزو کا

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی داخل ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم شکل محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ کی رفتار گفتار، شکل وشباہت بالکل حضور علیہ السلام کی مثل تھیں۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض و نفاس سے پاک تھیں۔ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی کلی ہیں اسی لئے آپ کا لقب شریف زہرہ ہے۔

بمعنی آپ کو فاطمہ اور بتول بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ دنیا میں رہتے

ہوئے دنیا سے بے تعلق رہی ہیں۔
مبسوط کتاب الکراھیۃ باب المس میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔

بتول و فاطمہ زہرہ لقب اس واسطے پایا
کہ دنیام میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نسل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں یہ وصف نہیں۔
مگر بعض کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ چند وجوہ سے۔
رب تعالیٰ نے فرمایا:
ینساء النبی لستن کاحد من النساء
اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویو! تم کسی عورت کی طرح نہیں۔"
اور کسی میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی داخل ہیں۔
اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں ہیں اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹی اور یقیناً ماں بیٹی سے افضل ہے۔
جنت میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ ہوں گی' مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اور اس جگہ سے یہ جگہ افضل ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شیطان کے اثر سے پاک کیونکہ نبی کی بیوی ہیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام مسلمانوں کی ماں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حکم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالمہ اور فقیہہ ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو تہائی دین عائشہ سے لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علمی اختلاف کا فیصلہ فرماتی تھیں اور اہل علم دوسروں سے افضل ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت روح الامین علیہ السلام سلام کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بستر میں حضور علیہ السلام پر وحی آتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری قیام گاہ قرار پایا کہ یہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ہے اور یہ قیامت تک کے لئے جن وانس وملائکہ کی زیارت گاہ بن گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود صدیقہ 'باپ صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شوہر نبیوں کے سردار 'میکہ بھی اعلیٰ 'سسرال بھی بالا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اُم المومنین' والد امیر المومنین اور شوہر خاتم النبیین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حاصل بحث

اس اختلاف کا فیصلہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہر قسم کے دلائل ملتے ہیں لہٰذا یا تو خاموشی اختیار کی جائے یا یوں کہنا چاہئے کہ بعض لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل ہیں اور بعض کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ایک لخت جگر نورِ نظر تو دوسری سب سے محبوب بیوی۔ شامی نے باب الکفو میں یہی فیصلہ فرمایا: یہ دونوں ہماری آقا ہیں' قیامت تک کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائے ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔ (تفسیر نعیمی)

واقعہ مباہلہ

اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ میں سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر موجود ہے اور سیرت کے حوالے سے اس واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

ابن اسحاق اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں کہ

نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد کے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا' سید جس کا نام الہیم تھا' ابوحارثہ بن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا' اوث بن حارث' زید' قیس' یزید اور اس کے دونوں لڑکے خویلد عمرو' خالد' عبداللہ اور محسن۔ یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص' عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر قوم مطمئن ہوتی تھی اور سید جوان کا لاٹ پادری تھا اور مدرس اعلیٰ تھا۔ یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی۔ اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنادیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر مدارت اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے۔ یہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ کی صفات پڑھ چکا تھا۔ دل سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا

قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا اسے کے چھن جانے کے خوف سے راہِ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ شریف میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے۔ یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کہتے ہیں ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا۔ ان کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی شریف ہی میں اپنے طریق پر نماز ادا کرلی۔ بعد نماز کے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی گفتگو ہوئی۔ ان کی طرف سے بولنے والے یہ تین شخص تھے۔ ۱- حارث بن علقمہ ۲- عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی الہیم۔ یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تینوں خیال ان کے تھے۔ یعنی

وہ خود خدا ہیں اور خدا کے لڑکے ہیں اور تین میں کا تیسرا ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا اور پاک ہے اور بہت ہی بلند و بالا شان کا مالک ہے۔

تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا (معاذ اللہ) ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور اندھوں اور کوڑھوں اور بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ غیب کی خبریں دیتے تھے اور

مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتے تھے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم ہو جائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں بولنے لگے تھے یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آتی تھیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اسباب کا محکوم اور محتاج نہ سمجھیں)

تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا: خلقنا انزلنا وغیرہ میں (ہم) کا صیغہ کا استعمال ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا (میں نے کہا یا میرا امر یا میری مخلوق ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اللہ (عزوجل) تین ہیں۔

خود خدا اور عیسیٰ علیہ السلام اور مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

جس کا جواب یہ ہے ہم کا لفظ صرف بڑائی اور عظمت کے لئے ہے

یہ مندرجہ بالا عقائد تھے جو تینوں سرداروں میں باہم مشترک تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس قسم کے بطلان وغیرہ سے پاک اور مبرا ہے اور ان منکرین کا جواب قرآن میں اترا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ایمان لے آؤ۔"

وہ بولے

ہم تو ماننے والے ہیں اور آپ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارا یہ اسلام قبول نہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی اولاد مانتے ہو' صلیب کی پوجا کرتے ہو۔ خنزیر کھاتے ہو وغیرہ وغیرہ۔"

انہوں نے جواب دیا:

"ہاں یہ سچ ہے وہ خدا کے بیٹے تھے ورنہ بتایئے ان کا باپ کون تھا؟

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔"

وہ بولے

"ہاں!"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہمارا رب تعالیٰ حی لا یموت ہے اس کے لئے موت ناممکن ہے' اور عیسیٰ (علیہ السلام) پر موت آنے والی ہے۔"

وہ بولے

"ہاں!"

پھر فرمایا:

"رب بندوں کا حقیقی کارساز' محافظ اور روزی دینے والا ہے۔ وہ بولے!

"ہاں!"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کیا عیسیٰ (علیہ السلام) بھی ایسے ہیں؟"

انہوں نے کہا

"نہیں"

پھر فرمایا:

"تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں' انہوں نے

اقرار کیا تو فرمایا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ماں کے پیٹ میں رہے۔ پیدا ہونے والے کی طرح پیدا ہوئے' بچوں کی طرح کھاتے پیتے تھے' انسانی عوارضات بھی رکھتے تھے۔

انہوں نے اقرار کیا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

پھر عیسیٰ (علیہ السلام) الٰہ کیسے ہیں؟

اس پر سب سردار خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد آل عمران کی ابتدائی آیات اور آیت مباہلہ پڑھیں۔ آیت مباہلہ یہ ہے۔

فَمَنْ حَاجَكَ فِيْهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْن. (آل عمران ۶۱)

پھر اے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے تمہیں علم آپ کا تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے۔

اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان)

اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو"

یہ سن کر وہ کہنے لگے۔

"اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کرلیں پھر آپ اس کا جواب دیں گے"

اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ کیا جو بڑا دانا عقلمند سمجھا جاتا تھا اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا۔

"اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے تم سن چکے ہو۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جو قوم نبی علیہ السلام کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا استیاناس ہو جائے گا بس یا تو تم اسی دین کو قبول کرلو اور اگر کسی طرح نہیں ماننا چاہتے اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کرلو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔"

یہ مشورہ ہونے کے بعد یہ لوگ وقت مقررہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے ادھر اہتمام صحت کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اس طرح تشریف لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دست مبارک میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فاطمہ الزہراؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو سب آمین کہنا۔ گویا "پنجتن پاک" تھے اس وقت ان نفوس قدسی کے چہروں سے حق کا ایسا رعب اور جلال ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی وفد کے ارکان کانپ اٹھے۔

ادھر عیسائیوں کے چودہ سرداران کے ساتھ بہت مخلوق۔ عیسائیوں کے سردار نے ان کو دیکھ کر کہا۔

"اے نصرانیوں! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ ہٹانے کو کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔"

آخر کار انہوں نے عرض کیا۔

"مباہلہ کی ہماری رائے نہیں اور ہم آپ سے جذیہ پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہزار جوڑے تینتیس زرہ تینتیس اونٹ اور چونتیس گھوڑے دیا کریں گے۔"

حضور علیہ اسلام نے قبول فرمایا اور فرمایا۔

"قسم رب کی بخران والوں پر عذاب قریب آگیا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے اور ان کا جنگل آگ بھڑک اٹھتا۔ اور بخران کے چرند پرند تک نیست و نابود ہو جاتے بلکہ ایک سال کے اندر

روئے زمین کے عیسائی ہلاک ہو جائے۔ (خزائن العرفان وکبیریا)

تفسیر کبیر نے لکھاہے کہ۔

اس واقعہ کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمبل شریف میں حضرات حسنین و فاطمہ الزہرا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو داخل فرما کر دعا کی کہ "مولیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں خوب پاک فرما۔"

تفسیر ابن کبیر نے کہاکہ۔

جب وفد نجران جذیہ دینے کے لئے راضی ہو گیا تو انہوں نے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیاکہ

اے ابوالقاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کہ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے آپ اپنے دین پر ہیں اور ہمیں ہمارے خیالات پر رہنے دیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں۔ آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں۔"

سرکار دو جہاں رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا دوپہر کو تم پھر آنا میں تمہارے ساتھ مضبوط امانت دار کو بھیج دوں گا۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبید بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے لئے پسند فرمایا۔"

اور فرمایا۔

"اے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو۔"

چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکے ساتھ چلے گئے۔

ابناء نا و البناء کم

ابناؤنا سے بیٹے پوتے نواسے سب ہی مراد ہیں۔ یعنی مزکر اولاد اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے ساتھ امام حسن و حسین علیہم الرضوان کو ساتھ لے گئے تھے۔ جو کہ حضور علیہ السلام کے نواسے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں ابناء سے مجاز اولاد اور داماد مراد ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ جن کا شمار داماد ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی اولاد میں تھا۔

نساءنا و نساءکم

خلاف قیاس امراۃ کی جمع ہے بمعنی عورت

یہاں اس سے بیویاں مراد نہیں بلکہ بیٹیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ ابناء سے معلوم ہوا کیونکہ فقط نساء سے مطلق عورتیں مراد ہوتی ہیں اور جب نساء کسی کی طرف مضاف ہو تو بیویاں جیسے یانساء النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)

اور

اگر ابناء سے مل کر آئے تو مراد بیٹیاں ہیں۔

جیسے یہاں خیال ہے کہ وفد نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نہ ان کی بیویاں تھیں نہ بیٹیاں نہ کوئی اور ——————

انہوں نے صرف دعا میں انہیں شریک کرنا تھا۔ نیز اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ نہ کہ کوئی ازواج المطہرات کو (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظاہری وصال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ملک الموت علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ۔

"زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ اور خبر دار اور اجازت لئے بغیر اندر نہ ہونا اور میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر روح قبض نہ کرنا۔"

چنانچہ حضرت قابض ارواح علیہ السلام نے دروازے کے باہر ایک اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السلام علیکم اهل بيت النبوة
ومعدن الرسالة ومختلف الملئكة

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر اللہ عزوجل کی رحمت ہو اس وقت حضرت سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔

"حضور نبی کریم صلی الہ علیہ وسلم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔"

حضرت ملک الموت (علیہ السلام) نے دوسری مرتبہ اجازت مانگی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہی جواب دہرا دیا۔ حضرت ملک

الموت (علیہ السلام) نے تیسری مرتبہ اجازت مانگی اور بآواز بلند اجازت مانگی۔

چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا "کیا بات ہے"

تمام صورت حال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے یہ لذتوں کو توڑنے والا 'خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا۔ بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں اور بچیوں کو یتیم بنانے والا۔ ملک الموت عزرائیل (علیہ السلام) ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے جب یہ سنا تو رونے لگیں تو شہنشاہ دوجہاں سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

"اے میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) روؤ نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش بھی روتے ہیں۔"

اور اپنے دست مبارک سے حضرت فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے چہرہ انور سے اشکوں کو پونچھا اور دلداری وبشارت فرمائی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال ظاہری کی خبر سن کر سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حالت بے قابو اور پریشان ہو گئی اور وہ رونے لگیں تو غمخوار آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو تسلی دیتے ہوئے یہ بشارت دی کہ۔

"آخرت میں تم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سب سے پہلے مجھ سے ملوگی"
اوراس بات کی بھی بشارت دی کہ۔
"تم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جنتی عورتوں کی سردار ہوگی۔
یہ دونوں حدیثیں اسی ایک وقت پر واقع ہوئی ہیں۔
اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی۔
"اے اللہ (عزوجل) انہیں میری جدائی پر صبر نصیب فرما۔"
حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکارا۔
"واکرباہ"

ہائے مصیبت!
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہارے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آج کے بعد کوئی کرب واندوہ نہیں ہے"
مطلب یہ کہ کرب واندوہ شدت الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے اور بواسطہ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔اس کے بعد سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔
"اپنے بچوں کولاؤ۔"
وہ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما الرضوان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔جب ان صاحبزدگان (علیہما الرضوان) نے سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے۔اور اتنی گریہ وزاری کی کہ ان شہزادوں کی گریہ زاری سے گھر کا ہر فرد رونے لگا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا اور ان کی تعظیم و توقیر کی اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام

علیہم الرضوان اور تمام امت کو وصیت فرمائی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ۔
"امام حسن اور امام حسین علیہما الرضوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں رو رہے تھے جب ان کے رونے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ سیدنا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔
"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو گزشتہ و آئندہ ہر حالت میں مغفور ہیں گریہ فرمانے کی وجہ کیا ہے۔"
تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"میری گریہ وزاری اپنی امت پر رحم و شفقت کے لئے ہے کہ میرے بعد ان کا حال کیا سے کیا ہوگا"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی حالت زار

دفن کے بعد جب صحابہ کرام علیہم الرضوان سیدنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا۔ "تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔"
یہ سن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا "ٹھیک فرمایا اے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے حکم شرع سے چارہ نہیں ہے۔"
اس کے بعد سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم قبر اقدس کے سرہانے آئیں اور قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں

پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔

ماذا علی من شم تربة احمدﷺ
ان لا یشم مدی الزمان غوالیاً
حبت علیٰ مصائب لوانها
حبت علیٰ الایام صرن لیا لیاً

ترجمہ: (جو شخص احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی کوئی خوشبو نہ سونگھے (یعنی اس کو ساری عمر خوشبو کی ضرورت نہیں۔ مجھ پر جو مصیبتیں پڑی اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نظم کردہ ہیں جسے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھا۔

بعض اہل سیر نے خود حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کچھ اشعار منسوب کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

اغبر آفاق السماء وکورت
شمس النهار واظلم العصران
والارض من بعد النبی کیئة
اسفاً علیه کثیرةً الاخران
فلیبله شرق البلاد وغربها
ولتبکیه مضر وکل همان
یا خاتم الرسل المبارك ضوة
صلی علیك منزل القران

ترجمہ: (آسمان غبار آلود ہو گیا) آفتاب لپیٹ دیا گیا دنیا میں تاریکی ہو گئی نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فرط الم سے شق ہو گئی ہے چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرق و مغرب کے رہنے والے روئیں اور چاہیے کہ تمام اہل یمن اور قبلہ مضر کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال پر روئیں اے خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم برکت و سعادت کو جوئے فیض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود و سلام بھیجا ہے۔

یہ اشعار بھی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب ہیں۔

انا فقد ناك فقد الارض وابلها
وغاب مذغبت عنا الومی والكتب
فليت قبلك كان الموت صادفنا
لما بغيب وحالت دونك الكتب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کیا جدا ہو گئے زمین اپنی طراوت سے محروم ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے وحی اور خدائی کتابوں کے اترنے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال ظاہری سے بیشتر اور اس وقت سے پہلے جب مٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ کیا ہمیں موت آ جاتی اور ہم مر گئے ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان خاک وحسرت وندامت اپنے وقت وحال کے سر پر ڈالنے لگے اور اپنے محبوب دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آتش فراق میں جلنے لگے اور گریہ وزاری کرنے لگے خصوصاً حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ' بیکس تر اور زار ونالاں تر تھیں سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتیں اور اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔

دوسرے گوشہ میں سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی حجرہ میں جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا تھا مصروف آہ وبکا تھیں۔ اس بیت الحزن وفراق میں رات دن آہ وبکا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا تو دور روشن شب دیجور کی مانند ہو گیا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر ونورانی تر نہ تھا جس دن کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی دن بدتر وتاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا ابھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پر پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب اذن اور مستجاب الدعوات تھے۔ انہوں نے دعا مانگی کہ "اے اللہ عزوجل جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ لے لے کیونکہ بغیر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ جمال میں اسے نہیں چاہتا۔"

وہ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ اور ایک جماعت کو تو مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار کے بغیر صبر و قرار آتا ہی نہ تھا۔ انہوں نے جہاں نوردی اور مسافرت اختیار کی۔

ان میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ مدینے کی گلیوں میں دیوانہ وار پھرتے تھے اور لوگوں سے پوچھتے تھے کہ بھائیو! تم نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے تو مجھے بھی دیدار کرا دویا مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتادو۔ مدینہ شریف کی گلیوں میں ہر جگہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کے نشان ہیں۔ آخرکار بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جدائی کی تاب نہ لا کر مدینے سے ہجرت کر کے ملک شام کے شہر حلب میں چلے گئے۔

تقریباً ایک سال کے بعد خواب میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا۔ سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فرمارہے ہیں "اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑ دیا؟ کیا تمہارا دل ہم سے ملنے کو نہیں چاہتا؟" آنکھ کھل گئی۔ اضطراب بڑھ گیا "لبیک یا سیدی" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اے آقا! غلام حاضر ہے۔ کہتے ہوئے اٹھے اور راتوں رات اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف چل نکلے۔ رات دن برابر سفر کرتے ہوئے آخر مرکز عشاق دیار مدینہ کی نورانی اور پر کیف فضاؤں میں داخل ہو گئے مدینے میں داخل ہوتے ہی دل کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔ سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے اور

مدینہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کو تلاش کیا مگر سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) نہ نظر آئے۔ پھر حجروں میں تلاش کیا آہ! وہاں بھی سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) نہ ملے۔ آخر بے قرار ہو کر مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور روتے ہوئے عرض کیا۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک و آلہ وسلم) حلب سے غلام کو بلایا اور خود پردہ میں چھپ گئے دیدار بھی نہ کرایا روتے روتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش کر قبر انور کے قریب گر گئے۔ اس دوران بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا شہرہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف غل تھا کہ موذن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ ہر طرف لوگوں کا ہجوم ہو گیا ہے اب منت و سماجت شروع ہو گئی۔ لوگ التجائیں کر رہے ہیں "اے بلال! رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ پھر وہ درد بھری اذان سنا دو، جو مدنی سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کو سناتے تھے۔" بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سب سے معذرت طلب کر رہے ہیں بھائیو! یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ میں جب حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی حیات ظاہری میں اذان کہا کرتا تھا تو جس وقت میں "**اشهد ان محمد رسول الله**" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کہا کرتا تھا تو پیارے سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کا آنکھوں سے دیدار کر لیا کرتا تھا آہ! اب تو سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) پردہ میں چھپ گئے ہیں اب بتاؤ کہ اذان میں سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کا دیدار کیونکہ ہو گا؟ مہربانی فرما کر مجھے اس خدمت سے معاف کر دو۔ مجھ میں برداشت کی قوت نہیں ہر چند لوگوں نے اصرار کیا مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار ہی کیا۔

بعض حضرات صحابہ کرام (علیہم الرضوان) نے رائے دی۔ کہ کسی

صورت سے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلالاؤ۔ اگر شہزادے' بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان کی فرمائش کریں گے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور مان جائیں گے کیونکہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے اہلبیت سے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے حد محبت ہے یہ رائے پسند آئی چنانچہ ایک صاحب جاکر حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلالائے۔ آتے ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پکڑلیا اور فرمایا اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج ہمیں وہی اذان سنادو جو ہمارے نانا جان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سنایا کرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیارے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں اٹھالیا اور پھر کہا تم میرے پیارے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے کلیجہ کے ٹکڑے ہو' مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے باغ کے پھول ہو جو کچھ تم کہو گے وہی ہو گا۔ شہزادے اگر میں نے انکار کر دیا اور کہیں تم روٹھ گئے تو مزار میں سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بھی رنجیدہ ہو جائیں گے۔

اب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان شروع کر دی مدینہ کی فضاؤں میں جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرسوز آواز گونجی' تو اہل مدینہ کے دل ہل گئے۔ سرکار ابد اقرار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دنیوی حیات کا سماں بندھ گیا لوگ روتے ہوئے بے تاباں مسجد نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دوڑ پڑے۔ ہر شخص بے قرار ہو کر گھر سے باہر آگیا عورتیں' بچے سبھی مضطربانہ گلیوں میں نکل آئے لوگ غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے نڈھال ہو رہے تھے ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ جس وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **اشھد ان محمد رسول اللہ** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) زبان سے ادا کیا ہزارہا چیخیں ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئیں' جس سے فضا

دہل گئی۔ مرد، عورتیں سبھی زار و قطار رو رہے تھے۔ ننھے ننھے بچے اپنی ماؤں سے لپٹ کر پوچھ رہے تھے امی جان سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کے موذن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آ گئے مگر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کب مدینے تشریف لائیں گے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' کہا تو بے ساختہ نظر منبر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف اٹھی آہ! مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کا دیدار نہ ہو سکا ہجر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) سے بے چین ہو گئے غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی تاب نہ لا سکے۔ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ جب بہت دیر کے بعد ہوش آیا تو اٹھے اور روتے ہوئے پھر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ (کتب کثیرہ)

اے کاش! قسمت مجھے مل جائے بلال حبشی کی
دم عشق محمد (ﷺ) میں نکل جائے تو اچھا

جاتے ہوئے انہوں نے حسنین کریمین علیہم الرضوان سے سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حال پوچھا تو شہزادے رونے لگے اور فرمایا۔

اجرك الله فی فاطمه

یہ سن کر حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت روئے اور کہا اے جگر گوشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بخدا کتنی جلدی تم اپنے جد بزرگوار سے ملحق ہو گئیں۔

میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ

کچھ لوگوں میں اس بات کی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر خلیفتہ الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جگر گوشہ رسول فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی بناء پر حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تادم حیات ناراض رہیں۔ اس مسئلے کی ساری حقیقت وضاحت سے بیان کی جاتی ہے اور جو غلط فہمی لوگوں میں مشہور ہے اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں مروی ہے۔

انا معاشر الانبیاء لا نبرث
ولا نورث ماترکناه صدقته

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وصال ظاہری چھوڑا ایک دراز گوش، اسلحہ، قمیص مبارک، چادر شریف اور اسی قسم کے کچھ لباس اور بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمین تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھی۔ باغ فدک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے نان نفقہ

اور مسلمانوں فقراء و مساکین کی ضروریات میں خرچ فرماتے تھے جب حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور میراث طلب فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میراث دینے سے عذر خواہی پیش کی اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کہ "جب آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انتقال فرمائیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وارث کون ہوگا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"میری اولاد اور میری اہل"

اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ۔

"پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد محترم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو میراث کی وارث نہ بنوں۔"

اس پر خلیفۃ الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مذکورہ فرمان رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سنایا۔ مزید فرمایا۔

چونکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں ہر اس شخص کی عیالداری کروں گا جس کی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیالداری فرماتے تھے اور میں ان اموال کو جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال اور مسلمانوں کے حوائج

وضروریات پر خرچ فرمایا کرتے تھے نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس کے لئے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔"

چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے۔ جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ۔

"میں تمہیں کچھ دوں گا"

پھر وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وعدے کے مطابق شے موعود مرحمت فرمائی۔

یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں۔

"میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جو خیبر فدک اور وہ مال جو مدینہ منورہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان میں سے کچھ عطا نہ فرمایا اور وہی جواب دیا جو سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔

اور یہی حال دیگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تھا یہی بات بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مال سے بطریق میراث کچھ نہ دیا بلکہ یہ فرمایا کہ۔

آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) اس مال کو خرچ کریں جس طرح وہ سب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔ لیکن اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور اللہ عزوجل کی قسم! میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت' اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میراث میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سے دلگیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا اور اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں۔

حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بناء پر تھا؟

اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ پہنچی ہو۔ تو پہنچے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔

مورخین کہتے ہیں کہ۔

حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رنجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا۔

اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔

بیہقی نے شبعی سے روایت کیا ہے کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کے لئے گئے اور ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ۔

"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں اور آپ سے آپ کی عیادت کی اجازت طلب فرماتے ہیں۔"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ "آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"ہاں"

تو سیدنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دے دی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر آئے۔

ایسا ہی کتاب الوفا میں ہے۔

ریاض النفرہ میں منقول ہے کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔

اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے بیان کیا کہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر تشریف لائے اور کہا کہ

"میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔"

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان کے پاس آئے اور سیدہ فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راضی ہو جانے کی قسم دی کہ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔

اسے شیخین نے کتاب الموافقہ میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھی۔

اس کا سبب یہ تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات میں اٹھایا گیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر نہ دی تھی کہ رات ہے۔

حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے بلانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر روایتوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں حاضر ہونا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا بھی آیا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت آئے جب کہ وہ سخت علیل تھیں اور عیادت کے لئے حاضر ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ۔

"ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے ہیں اور دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب فرما رہے ہیں اگر مرضی ہو تو آنے کی اجازت دیجئے کہ وہ اندر آجائیں۔"

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ۔

"کیا آپ کے نزدیک ان کے نہ آنے سے آنا زیادہ پسند ہے۔ حضرت علی

مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ۔

"ہاں"

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے اور بیمار پرسی کرتے ہوئے معذرت خواہی کی بات کی اور فرمایا۔

"میں نے تو گھر بار' مال و دولت اور کنبہ و قبیلہ محض اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اہل بیت کی رضا کے لئے چھوڑا ہے۔"

اس پر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائے جانے کے سلسلہ میں مروی ہے کہ۔

انہوں نے مغرب و عشاء کے درمیان وفات پائی تھیں۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان بن عنان حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے پھر جب جنازہ رکھا گیا تاکہ نماز پڑھی جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ۔

"اے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آگے آؤ۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"میں آگے آؤں حالانکہ آپ موجود ہیں"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔

"ہاں میں موجود ہوں لیکن آپ کے سوا کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے گا۔" اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد رات میں انہیں دفن

کیا گیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میراث کے معاملہ کوئی اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنایا تو جواب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

"پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کے مطابق عمل کیجئے"

کیونکہ یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی پاک فطرت ہستی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سن کر اسے تسلیم نہ کیا ہو بلکہ یہ ارشاد سنانے والے سے ہو گئیں یہ ناراضگی بھی بتقاضائے بشریت تھی اور عارضی تھی۔ جو کہ بعد خوشی میں بدل گئی تھی اور دل کوئی رنجش باقی نہ تھا۔

سیدہ عالم سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سفر آخرت

جب مدنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال ظاہری فرمایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر قیامت برپا ہو گئی۔ زندگیاں اجڑ گئیں۔ ہر طرف ایک قیامت صغریٰ کا عالم تھا۔ غم مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں لوگ بے قرار ہو گئے اس موقع پر سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی دلی کیفیت کا عجیب عالم تھا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے از حد گریہ وزاری فرمائی اور کہتیں۔

''یابتا' یابتا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔

واابتاہ!

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔

واابتاہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال کی خبر حضرت جبریل امین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تک کون پہنچائے۔

واابتاہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبریل علیہ السلام وحی کس پر لائیں گے۔

اے اللہ عزوجل! فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی روح کو حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح سے ملا دے۔

اے اللہ عزوجل مجھے اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دیدار نصیب فرما دے۔

اے اللہ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثواب سے دور نہ فرما اور روز قیامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ فرما۔"

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری فرمانے کے بعد کسی نے بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہنستے نہ دیکھا۔

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر شب فرقت چھائی ہوئی تھی۔ فراق کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹ رہی تھیں عالم سنگ و بو پھیکا پھیکا نظر آرہا تھا۔ زندگی کا لطف باقی نہیں تھا جینے کا مزہ جا تا رہا تھا۔

وہی سورج تھا وہی چاند تھا۔ وہی ستارے تھے لیکن آہ آفتاب ہدایت نور دل فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سرور قلب زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا چین قلب سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف فرما تھے۔

سیدہ عالم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد محترم نبی مکرم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں گریہ وکناں تھیں رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا پہنچا جس کی وہ اسی دن سے منتظر تھیں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی تھی کہ۔

آخرت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات کے بارے

میں اہل سیر میں سخت اختلاف ہے مختلف روایات کے مطابق سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے ستر دن دوماہ چار ماہ' چھ ماہ' آٹھ ماہ' اٹھارہ ماہ بعد وفات پائی اس کے علاوہ اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں۔ جو قول مشہور اور صحیح ہے وہ یہ ہے کہ۔

سیدتنا فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ (منگل) تیسری ماہ رمضان المبارک 11ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔

اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں بقیع شریف میں رات کے وقت مدفون ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ایک قول سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

کہتے ہیں دوسرے دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگری صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے شکایت کی ہمیں کیوں خبر نہ کی کہ ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عذر خواہی میں فرمایا۔

''میں نے فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وصیت کی بناء پر کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو رات میں دفن کرنا تاکہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں۔''

لوگوں میں یہی مشہور ہے۔

مگر روضتہ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن وعبدالرحمان بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آئے۔

مزارِ پر انوار

سید تنا فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ کا مرقد بقیع میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبہ میں ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں۔ بقیع پاک کے تمام مزارات اور قبوں کو نجدیوں نے اپنے دور استبداد 1343ھ میں شہید کر دیا ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نکالا ہی نہ گیا۔ آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ۔

ان کا مزار شریف بقیع کی مسجد میں ہے جو قبہ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرقی کی جانب ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بقیع کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت بھی کی ہے۔

بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ بیت الحزن کے نام سے مصروف ہے کیوں کہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غم و جدائی کی مصیبت کے زمانہ میں لوگوں کی صحبت سے پریشان ہو کر تنہائی اختیار کر کے اس جگہ قیام پذیر ہو گئی تھی۔ نیز کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک گھر ہے جسے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

الکریم نے بقیع میں لیا تھا (واللہ اعلم)

پہلا قول صحیح اور اخبار و آثار کے موافق ہے۔

مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسن 'امام زین العابدین 'امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں کی جگہ میں ایک پتھر ہیں جس پر لکھا ہوا ہے۔

هذا قبر فاطمه بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سيد نساء العلمين وقبر الحسن بن على حسين بن على وجعفر بن محمد عليهم الحيته و السلام

اس پتھر کا ظہور 330ھ میں ہوا۔

امام المسلمین سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے حصہ میں مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر لوگ مزاحمت نہ کریں تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا ورنہ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن کر دینا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا علم اہل مدینہ کو ہوا تو تمام مرد اور عورتیں اشکبار ہو گئیں۔ لوگوں پر اس طرح حیرت اور دہشت طاری ہوئی جس طرح سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال ظاہری کے دن طاری ہوئی تھی۔

آیت تطہیر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے پیارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو ہر پلیدی سے پاک کیا اور انہیں اپنی جناب سے بہت بڑی فضیلت عطا کی۔

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا بیاں
آئیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیراً (احزاب پارہ22:1:33)

اللہ (عزوجل) تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ اس سلسلے میں مفسرین کا اختلاف ہے امام بغوی 'خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) اور تابعین میں سے حضرت مجاہد و قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہل بیت سے مراد اہل عباء چادر والے ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دوسری جماعت جس میں حضرت ابن عباس (صحابی) اور حضرت عکرمہ

(تابعی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کا موقف یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد امہات المومنین ہیں۔

متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشان مبارک میں تشریف لائے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک ران پر بٹھایا پھر ان پر چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔

سیدتنا ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے چادر اٹھائی تاکہ میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج میں سے خیر پر ہو۔"

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ آیت پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی میرے بارے میں علی' حسنین کریمین اور فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بارے میں۔

متعدد حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانہ مبارک کے پاس سے گزرتے تو فرماتے۔

الصلوٰۃ اھل البیت

اے اہل بیت! نماز پڑھو۔

پھر آیہ کریمانما یرید ید اللہ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس صبح تک حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے۔

السلام علیکم اھل البیت ورحمتہ اللہ و برکاتہ الصلوٰۃ رحمکم اللہ

"اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی' رحمت اور برکت ہو نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔"

پھر آیت مبارکہ انمایرید اللہ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سات ماہ یہ معمول جاری رہا ایک روایت میں آٹھ ماہ سے یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تصریح ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد پنجتن ہے۔

مسلم شریف میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰ فاطمۃ الزہرا' حسن و حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بلایا اور فرمایا۔

فقال اللھم ھولاء اھل بیتی

الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں

چونکہ آیت تطہیر میں **لیذھب عنکم** اور **ویطھرکم**

مزکر کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ اسکی وجہ سوا اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی نہیں ہیں۔ بلکہ شہزادہ کونین سیدنا حسنین کریمین اور بنت رسول سیدہ زہراء اور شیر خدا اسد اللہ اور سیدنا صدیق و فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب گھر والے ہیں۔اس لئے تغلیباً سب کے حق میں تطہیر کا وعدہ دینے کے لئے **یطھر کم** اور **لیذھب عنکم** فرمادیا تاکہ مرد عورت سب شامل ہو جائیں اور ازواج کے ساتھ اہل بیت اطہار میں سب ہی شمار ہوں یہی حضرت امام ابومنفور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل بیت میں سب داخل ہیں۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت
کس زبان سے ہو بیان عزو شان اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آئیہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

پنجتن پاک اہل عباء کے کچھ فضائل

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر
وانہ خیر خلق اللہ کلہم

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے علم کی انتہا یہ ہے آپ انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے قرب اور کمال کی جس مرتبے تک آپ پہنچے وہاں نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی نہ کسی مقرب فرشتے کی۔

امام احمد رضا فائل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا 'نہ کسی کہ ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

اجلہ ائمہ مثلاً امام فخر الدین رازی اور علامہ ابن محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما وغیرہما نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام انبیاء و رسل علیھم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل شخص واحد میں جمع ہو جائیں اور ان کا مقابلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل جلیلہ سے کیا جائے تو آپ کے فضائل ان پر غالب ہوں گے انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت کا لحاظ ہو یا عموم کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے افضل ہیں اور جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے علی الاخلاق ہیں۔ اسی طرح آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور آپ کے اہل بیت اور اصحاب تمام اہل بیت اور اصحاب

سے افضل ہیں۔

سچ یہ ہے کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور آپ سے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا مقام نہیں ہے۔

اے رضا خود صاحب قرآں ہیں مداح حضور

تجھ سے پھر ممکن ہے کب مدحت رسول اللہ کی

چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت تمام اہل بیت سے افضل ہیں ان کے فضائل کے بارے میں قرآنی آیات اور بے شمار احادیث موجود ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ

تم فرمادو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں (اہل بیت) سے محبت رکھو۔"

امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے در منشور میں بہت سے دیگر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے۔

"صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے وہ کون سے رشتے دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی و فاطمہ اور ان کی اولاد۔" (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) در منشور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "انصاری صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ اہل بیت نے ہمارے قول و فعل سے فخر محسوس کیا۔

اس آیت کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے بارے میں وارد ہیں حضرت علی' حضرت فاطمہ

حضرت حسنین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد' بہر حال اس آیت میں داخل ہے۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔

سب سے پہلے میں' فاطمہ اور حسن و حسین جنت میں داخل ہوں گے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے محبین کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا وہ ہمارے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) پیچھے ہوں گے۔

ابن نجار اپنی تاریخ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر شے کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد صحابہ اور اہل بیت کی محبت ہے۔" (رضی اللہ عنہم)

حضرت شافع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن میں چار قسم کے لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

(1) میری اولاد کی عزت کرنے والا۔

(2) ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا۔

(3) وہ شخص جو ان کے امور کے لئے کوشش کرے' جب انہیں اس کی ضرورت پیش آئے۔

(4) دل اور زبان سے ان کی محبت کرنے والا۔

محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جسے پانچ چیزیں عطا کی گئیں اسے عمل آخرت کے ترک پر سزا نہیں دی جائے گی۔"

(1) نیک بیوی

(2) نیک بیٹے

(3) لوگوں سے اچھا میل جول۔

(4) اپنے شہر میں اچھی طرح رہائش۔

(5) محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک سے محبت۔"

امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی کہ میرے اہل بیت کرام کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

"اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ' اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ کے اہل بیت کی محبت اور قرآن مجید پڑھنا۔"

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے لئے تین عزتیں ہیں جس نے ان کی حفاظت کی' اس نے اپنے دین و دنیا کے معاملہ کی حفاظت کی' جس نے انہیں ضائع کیا اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرمائے گا صحابہ نے عرض کیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا اسلام کی عزت' میری عزت اور میرے رشتہ داروں کی عزت۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل سے اچھا ہوگا۔"

امام طبرانی وغیرہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی بندہ (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے' میری اولاد کو اپنی اولاد سے' میرے اہل کو اپنے اہل سے' میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ جانے۔"

حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے اہل بیت اور میری امت سے ان کے محب حوض پر (انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ وارد ہوں گے۔"

محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔

"ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کیونکہ ہماری محبت والا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔ اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' ہمارا حق پہچانے بغیر کسی بندے کا عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔"

امام دیلمی راوی ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص وسیلہ چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کی بدولت میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں تو اسے میرے اہل بیت کی خدمت کرنی چاہیے اور انہیں خوش کرنا چاہیے۔"

اجر و ثواب

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔

من یقترف حسنته

"جو شخص نیکی کرتا ہے۔"

انہوں نے فرمایا اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں روزی عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی

محبت کے سبب مجھ سے اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
"اہل بیت کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"
اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً
الا المودة فی القربی

تم فرمادو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا' ہاں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں (اہل بیت) محبت رکھو۔"

امام رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کے حوالے سے تفسیر کبیر میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا اس نے شہادت کی موت پائی' سن لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے ہیں' خبر دار! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا جان لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا' اسے پہلے ملک الموت اور پھر منکر نکیر جنت کی خوشخبری دیتے ہیں' آگاہ باشید! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا' اسے اس اعزاز کے ساتھ جنت روانہ کیا جاتا ہے' جس طرح دلہن دلہا کے گھر بھیجی جاتی ہے اچھی طرح سن لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا' اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جان لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی محبت پر فوت ہوا' وہ اہل سنت پر فوت ہوا' خوب ذہن نشین کر لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا۔ "اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید" خبردار! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرا وہ کافر مرا۔ کان کھول کر سن لو! جو شخص آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا" (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وسلم) امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں' آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) وہ حضرات ہیں جن کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تعلق آپ سے کامل ترین ہو گا وہی آل ہیں' اس میں شک نہیں کہ حضرت فاطمہ' حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا تعلق آپ سے نہایت قوی تھا اور یہ نقل متواتر سے معلوم کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہی آل ہوں نیز لوگوں کا آل میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آپ کی امت ہے' اگر ہم آل کو قریبی رشتہ داروں پر محمول کریں تو وہی آل ہیں اور اگر اس امت پر محمول کریں جس نے آپ کی دعوت قبول کی ہے تو بھی وہ آل میں داخل ہیں' ثابت ہوا کہ وہ ہر صورت پر آل ہیں اور دوسروں کا آل میں داخل ہونا اختلافی ہے۔

صاحب کشاف روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (**قل لا اسئلکم علیه اجراً**) نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا آپ کے وہ رشتہ دار کون سے ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی' فاطمہ اور ان کے دو صاحبزادے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ثابت ہوا کہ یہ چاروں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو واجب ہوا کہ وہ مزید تعظیم کے ساتھ مخصوص

ہوں۔اس پر چند وجوہ دلالت کرتی ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ارشاد الا المودة فی القربیٰ

2- اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھتے تھے۔' اور فرمایا۔

"فاطمہ رضی اللہ عنہا میری لخت جگر ہے جو چیز اسے اذیت دیتی ہے' مجھے اذیت دیتی ہے۔"

اور نقل متواتر سے ثابت ہے کہ آپ 'حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے اور جب یہ ثابت ہے تو تمام امت پر ان کی محبت واجب ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔(ترجمہ آیات کریمہ)

1-میری پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

2-ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔

3-تم فرمادو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔

4- تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بہترین رہنمائی ہے۔

(3) آل پاک کے لئے دعا عظیم منصب ہے' اسی لئے اس دعا کو نماز میں التحیات کا خاتمہ بنایا گیا اور وہ یہ ہے **اللھم صل علیہ محمد و علی آل محمد** یہ تعظیم آل اطہار کے ماسوا میں نہیں پائی جاتی۔

ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت کی محبت واجب ہے۔امام احمد رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس نے مجھ سے ان دو سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔"

میرے درجہ میں ہو گا' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (بصورت خادم) اس درجے میں دکھائی دے گا' یہ مطلب نہیں کہ اسکا مقام بھی وہی ہو گا۔

امام طبرانی مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد پر کوئی احسان کیا اور اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا' کل قیامت کے دن جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا۔"

امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کسی آدمی کے قدم چلنے سے عاجز نہیں ہوتے (یعنی موت کے وقت) یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔

(1) تو نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟

(2) تو نے اپنے جسم کو کس کام میں استعمال کیا؟

(3) تو نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟

(4) اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔

امام دیلمی حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

"تم میں سے پل صراط پر بہت زیادہ ثابت قدم وہ ہو گا جسے میرے اہل بیت اور میرے اصحاب سے شدید محبت ہو گی۔"

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سادات کرام کی عزت و تکریم کرنے پر عظیم اجر و ثواب ہے۔

سلف صالحین وغیرہم کے تکریم اہل بیت کے چند واقعات

اکابر سلف وخلف اہل بیت کی کمال محبت پر کاربند رہے ہیں' سید اکابر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے"

امام بخاری حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر اہل بیت کا احترام کرو۔"

ابن علان نے شرح ریاض صالحین میں کہا۔

"مصنف یعنی امام نووی نے کہا ارقبوا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت کرو' آپ کا احترام کرو اور آپ کی عزت کرو"

امام مناوی کہتے ہیں کہ حافظ زرندی نے فرمایا۔

"تمام علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے اہل بیت کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا' جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربیٰ

میں کہتا ہوں حافظ زرندی نے علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کی قید اس لئے

لگائی کہ وہ امت کے مقتدا ہیں۔ جب ان کا یہ طریقہ ہے تو کسی مومن کو لائق نہیں کہ ان سے پیچھے رہے کیونکہ وصف ایمان اہل بیت کی محبت کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے' جس قدر ایمان زیادہ ہوگا۔ محبت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی اسی لئے علمائے مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے ان کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا یحییٰ ابن سعید انصاری' عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پر چڑھا اور کہا میرے باپ کے منبر سے اتریئے اور اپنے باپ کے منبر پر جایئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے باپ کا منبر نہیں تھا اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

میں اپنے سامنے رکھی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا' جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھے فرمایا کتنا اچھا ہو اگر آپ گاہے گاہے تشریف لائیں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تنہائی میں مصروف گفتگو تھے اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دروازے پر کھڑے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما واپس ہوئے تو میں ان کے ساتھ واپس آگیا۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا' میں نے کہا امیر المومنین میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آگیا' انہوں نے فرمایا۔

''آپ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہیں۔ ہمارے سروں کے بال

اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔"

اس بارے میں مجھے امام جلیل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی خاص بات کا علم نہیں ہے لیکن وہ کمال تقویٰ اور وقت نظر کے باوجود یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ اس کا سبب یہی تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک سے کامل محبت رکھتے تھے اور ان کے نزدیک دلیل بھی ثابت ہو گی۔

امام قرشی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک کی شدید محبت کی بنا پر اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ وہ پابند سلاسل تھے۔ اس سلسلے میں انہیں ایسے امور پیش آئے جن کی تفصیل طویل ہے اہل بیت کرام سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کج رو گمراہوں نے انہیں رفض کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ اس سے قطعاً بری تھے۔

ابن سبکی اپنی طبقات میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ربیع بن سلیمان مرادی سے سند متصل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم امام شافعی رضی اللہ عنہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ امام شافعیؒ جس وادی میں اترتے اور جس گھاٹی پر چڑھتے یہ کہتے جاتے تھے۔

"اے سوار! منیٰ کی وادی محصب میں ٹھہر!

اس کی وادی خیف میں کھڑے ہونے اور بیٹھنے والے کو کہہ سحری کے وقت جب حجاج کرام دریائے فرات کی متلاطم امواج کی طرح منیٰ کی طرف جائیں۔

اگر (بالفرض) آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت رفض ہے۔

تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔"

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اشعار میں اہل بیت کی محبت کے فرض

ہونے کی تصریح کی ہے۔

"اے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت آپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے جس کا حکم قرآن پاک میں نازل فرمایا تمہارے لئے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ تم پر جو شخص درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

علامہ صبان نے فرمایا۔

"مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرجوع قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی' ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبت کا حکم دیا ہے۔

وہ ارشاد یہ ہے۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی اپنی تصنیف "مسامرات الاخیار" میں اپنی سند متصل سے حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض مقتدمین کو حج کی بڑی آرزو تھی انہوں نے فرمایا۔

"مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حجاج کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا۔ اپنی آستین میں پانچ سو دینار ڈالے اور بازار کی طرف نکلا تاکہ حج کی ضروریات خرید لاؤں میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی' اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں سید زادی ہوں۔ میری بچیوں کے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیئے اور انہیں کہا آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں' میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور واپس آ

گیا اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔
دوسرے لوگ چلے گئے' حج کیا اور واپس آئے میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انہیں سلام کر آؤں چنانچہ میں گیا جس دوست سے ملتا اسے سلام کہتا اور کہتا اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش کی جزائے خیر عطا فرمائے تو وہ مجھے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج بھی قبول فرمائے' کئی دوستوں نے اسی طرح کہا' رات کو سویا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی جو مبارک باد دے رہے ہیں اس پر تعجب نہ کر تم نے ایک کمزور اور ضرورتمند کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے ہو بہو تجھ جیسا فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کرے گا۔ اب اگر چاہو تو حج کرو اور اگر چاہو تو حج نہ کرو۔"

شیخ زین الدین عبدالرحمان خلال بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھے تیمور لنگ کے ایک امیر نے بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض موت میں مبتلا ہوا تو ایک دن اس پر سخت اضطراب طاری ہوا منہ سیاہ ہو گیا اور رنگ بدل گیا' جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اسے صورت بیان کی تو اس نے کہا میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا "اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کی خدمت کرتا تھا چنانچہ وہ چلے گئے۔"

شمس الدین محمد بن حسن خالدی فرماتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے پاس تیمور لنگ کو دیکھا' اس ساتھی نے کہا اے دشمن خدا تم یہاں پہنچ گئے ہو؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے محمد بن حسن! اس کا سبب یہ ہے کہ یہ میری اولاد

سے محبت رکھتا تھا۔"

ابو الفرج اصفہانی' عبید اللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ ابن سعید نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا' ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں پھر ان کے جسم کے ایک بل کو پکڑ اکر اتنا دبایا کہ انہوں نے تکلیف محسوس کی اور فرمایا شفاعت کرنے کے لئے اسے یاد رکھنا' جب وہ تشریف لے گئے تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کی اور کہا آپ نے ایک نو عمر بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا انہوں نے فرمایا مجھے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سن رہا ہوں' آپ نے فرمایا۔

"فاطمہ رضی اللہ عنہا میری لخت جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے"

اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے سے کیا ہے اس سے خوش ہوتیں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے جوان کے پیٹ کی چٹکی لی ہے اور جو کچھ آپ نے انہیں کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا

"بنو ہاشم کا ہر فرد شفاعت کرے گا' مجھے توقع ہے کہ مجھے ان کی شفاعت حاصل ہو گی۔"

انہی حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ میں کسی کام سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا انہوں نے فرمایا جب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو تو پیغام بھیج دیا کریں یا تحریر فرمادیا کریں مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں آپ کو اپنے دروازے پر دیکھوں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض ابن حسنی مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازماً ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قید و بند در حقیقت اسی سبب کی بنا پر تھی اگرچہ بظاہر سبب یہ تھا کہ آپ نے منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امام اہل مدینہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم بن زید بن علی زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے اسی لئے کئی سال مخفی رہے بعض نے کہا کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے ابراہیم بن عبداللہ محض کی حمایت کی تھی اور امام مالک نے ان کے بھائی حضرت محمد کی حمایت کی تھی (رضی اللہ عنہم)

ائمہ سے روایت کی کہ وہ سادات کرام کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا' سادات میں ایک شخص تھا جسے مطیر کہا جاتا تھا وہ اکثر لہو و لعب میں مصروف رہتا تھا جب وہ فوت ہوا تو اس وقت کے عالم نے اس کا جنازہ پڑھنے میں توقف کیا تو انہوں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ کے ہمراہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں انہوں نے اس عالم سے اعراض کیا' جب اس نے درخواست کی کہ مجھ پر نظر رحمت فرمائیں تو حضرت خاتون جنت اس کی طرف متوجہ ہوئیں' اس پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

"کیا ہمارا مقام مطیر کے لئے کفایت نہیں کر سکتا؟"

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے قاضی القضاۃ عز الدین عبدالعزیز بن عبدالعزیز بکری بغدادی حنبلی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی میں موجود ہوں' کیا دیکھتا ہوں کہ قبر مقدس کھلی اور اس میں سے نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تشریف فرما ہوئے آپ نے اسی طرح کفن زیب تن فرمایا ہوا تھا مجھے دست اقدس سے قریب آنے کا اشارہ کیا میں اٹھا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا مجھے فرمایا موید کو کہو کہ عجلان کو رہا کر دے۔

میں بیدار ہوا اور حسب معمول سلطان موید کی مجلس میں پہنچ گیا اور متعدد بار قسم کھا کر اسے بتایا کہ میں نے کبھی عجلان کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میری اس سے شناسائی ہے اس کے بعد میں نے واقعہ بیان کیا' بادشاہ چپ رہا میں بھی بیٹھا رہا یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی' بادشاہ اپنی مجلس سے اٹھا اور قلعہ کے تہ خانے میں گیا اور اتنی دور جا کر ٹھہر گیا جتنی دور زور سے پھینکا ہوا تیر جا کر گرتا ہے' پھر امیر مدینہ سید عجلان حسینی کو قید خانے سے بلایا اور رہا کر دیا۔

علامہ مقریزی نے کہا سید سرداح ابن مقبل حسنی نے اپنے باپ مقبل کو ۸۲۵ھ میں گرفتار کیا جو کہ ینبع کے امیر تھے ان کی جگہ ان کے بھتیجے کو امیر مقرر کر دیا گیا' مقبل کو گرفتار کر کے اسکندریہ لے جایا گیا وہیں قید میں ان کا وصال ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان کے اسی بیٹے سرداح کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھر وادی گئیں حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ گئے اور دماغ متورم اور متعفن ہو گیا وہ ایک مدت تک قاہرہ کے باہر رہے اس وقت وہ نابینا ہی تھے پھر وہ مدینہ طیبہ گئے اور اپنے جد امجد حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مزار مبارک کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تکلیف کی شکایت کی' روئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی' واپس آ کر رات کو سوئے تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جاں افروز سے مشرف ہوئے' آپ نے اپنا دست اقدس ان کی آنکھوں میں پھیرا' بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی تھی' یہ خبر اہل مدینہ میں مشہور ہو گئی ایک عرصہ تک ان کے پاس رہے پھر قاہرہ واپس چلے آئے۔

بادشاہ ملک اشرف بر سباری کو ان کی آمد کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بینا ہیں' بادشاہ نے انہیں گرفتار کر لیا اور قبیلہ مزینہ کے ان دو افراد کو طلب کیا جنہوں نے سرداح کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں اور ان دونوں کو بری طرح مارا' انہوں نے بادشاہ کے سامنے تسلی بخش گواہ پیش کیے جنہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے سلائی گرم کی گئی اور ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ سرداح کی آنکھوں میں پھیر دی گئی یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ نکلے تو بادشاہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

اسی طرح اہل مدینہ نے بتایا کہ ہم نے سرداح کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ڈھیلے غائب تھے پھر ایک صبح دیکھا کہ وہ اچھے بھلے بینا تھے اور سرداح نے انہیں اپنے خواب کا واقعہ کا بیان کیا تھا بادشاہ نے سرداح کو رہا کر دیا ۸۳۳ھ کی طاعون میں ان کا وصال ہوا۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ عنہ

شیخ عدری نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں ابن جوزی کی تصنیف ملتقط سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی ایک زوجہ اور چند بیٹیاں تھیں۔ قضاء الٰہی سے وہ شخص فوت ہو گیا' ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں شماتت اعداء کے خوف سے سمرقند چلی گئی' میں وہاں سخت سردی میں پہنچی' میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں داخل کیا اور خود خوراک کی تلاش میں چل دی' میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہ رئیس شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حال زار بیان کیا اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو' اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ میں واپس مسجد کی طرف چل دی میں نے راستے میں ایک بوڑھا بلند جگہ بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے چنانچہ

میں اس کے پاس پہنچی' اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا بیان کیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

اس نے اپنے خدام کو بلایا اور کہا اپنی آقا (یعنی میری بیوی) کو کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آئے چنانچہ وہ آئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں بوڑھے نے اسے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ' وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی' شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ کا انتظام کیا' ہمیں بہترین کپڑے پہنائے' ہمارے غسل کا انتظام کیا اور ہمیں طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

آدھی رات کے وقت رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور لواء الحمد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر انور پر لہرا رہا ہے آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا۔ اس نے عرض کیا حضور آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالانکہ میں مسلمان ہوں' نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو' جو شخص حیرت زدہ رہ گیا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس علوی عورت کو جو کچھ کہا تھا اسے بھول گیا؟ یہ محل اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا' اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا' اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے۔ یہ رئیس اس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے' رئیس نے کہا اسے میرے ہاں بھیج دو' شیخ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا' رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو اور اسے میرے ہاں بھیج دو شیخ نے کہا بخدا ایسا نہیں ہو سکتا اگرچہ تم لاکھ دینار

بھی دو' جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اسے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے تم اس سے لئے مجھ پر فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو' بغداد وہ علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو ہم سب ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو آپ نے مجھے فرمایا چونکہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے ہے اور تم جنتی ہو۔ ۸

سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں سید شریف نے حضرت خطاب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف البحیرہ نے ایک سید کو مارا تو اسے اسی رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کیا گناہ ہے؟ فرمایا تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو' آپ نے فرمایا کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟ اس نے عرض کیا ہاں' فرمایا تیری ضرب میری ہی کلائی پر لگی ہے' پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر درم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو' ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے رئیس شمس الدین محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے محتسب (گورنر) تھے وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سید عبدالرحمان طباطبی موذن کے گھر تشریف لے گئے ان سے اجازت طلب کی وہ

اپنے گھر سے باہر آئے تو انہیں محتسب کے ان کے ہاں آنے پر حیرت ہوئی' وہ انہیں اندر لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سید عبدالرحمان کے سامنے اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو قاضی جمال الدین نے کہا حضرت مجھے معاف کر دیجئے انہوں نے پوچھا جناب کیوں معاف کر دوں؟ انہوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ بیٹھ گئے' میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے فرمایا محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے؟ یہ سن کر سید عبدالرحمان رو پڑے اور کہا جناب میں کون ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یاد فرمائیں یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں' سب نے سید صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آ گئے۔

سیدی محمد فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسنی سادات کو ناپسند رکھتا تھا کیونکہ بظاہر ان کے افعال سنت کے مخالف تھے' خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا اے فلاں! کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو' میں نے عرض کیا خدا کی پناہ! یا رسول اللہ! میں تو ان کے خلاف سنت افعال کو ناپسند رکھتا ہوں فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے ملحق ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا' ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم' فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے' جب میں بیدار ہوا تو ان میں سے جس سے بھی ملتا اس کی بے حد تعظیم کرتا۔

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بارے میں فرمایا۔

فان عصوك فقل انی بری مما تعملون

"اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو انہیں فرمادو میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔"

حق قرابت اور تعلق نسب کی بناء پر یہ نہیں فرمایا کہ میں تم سے بری ہوں۔

علامہ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عراق کا ایک امیر سادات سے شدید محبت رکھتا تھا اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا تھا' اس کی مجلس میں جب کوئی سید موجود ہوتا تو انہیں سب سے آگے بٹھاتا اگرچہ وہاں ان سے زیادہ مالدار اور بڑے مرتبے والا دنیادار موجود ہوتا۔ ایک دفعہ ایک سید اس امیر کی مجلس میں آئے اس وقت وہاں ایک بہت بڑا عالم موجود تھا' سید صاحب کو بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملی وہ اس عالم سے اونچی تھی' وہ اس جگہ بیٹھ گئے وہ اس کے مستحق بھی تھے اور جانتے تھے کہ امیر اس سے راضی ہوگا۔ اس سے عالم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے نامناسب گفتگو شروع کر دی' امیر نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور دوسری بات شروع کر دی۔

کچھ دیر بعد جب یہ معاملہ بھول گیا تو امیر نے اس عالم کے بیٹے کے متعلق پوچھا جو تحصیل علم میں مصروف تھا' اس عالم نے کہا وہ متون یاد کرتا ہے اسباق پڑھتا ہے اس نے یہ پڑھا ہے وہ پڑھا ہے' اس کا ایک سبق صبح کے وقت مقرر ہے ایک سبق دوسرے وقت پر معین ہے' اسی طرح اس کے دیگر حالات بیان کرتا رہا' امیر نے کہا کیا تو نے اس کے لئے ایسا نسب بھی مہیا کیا ہے اور اسے ایسی شرافت بھی سکھائی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو جائے' عالم اپنی حرکت فراموش کر چکا تھا' اس نے کہا یہ فضیلت فراہم کرنے اور سکھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی' یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں ہے امیر نے بڑے زور سے کہا خبیث! جب تجھے یہ بات معلوم ہے تو

نے سید صاحب کے اونچی جگہ بیٹھنے کو کیوں ناگوار محسوس کیا' بخدا! آئندہ تم میری مجلس میں نہیں آؤ گے پھر حکم دیا اور اسے وہاں سے نکلوا دیا۔

سادات (اہل بیت) سے بغض رکھنے پر وعید

ہمارے زمانے میں بھی ایسے گمراہوں کی کمی نہیں ہے جو اہل بیت نبوت و معدن رسالت سے نفرت رکھتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سلف صالحین، علماء امت یا اولیائے امت نے جو اہل بیت کے امتیازی فضائل و مناقب بیان کئے ہیں انہیں سن کر ان کی پیشانیوں پر شکن پڑ جاتے ہیں ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور وہ زبان حال سے اس امر کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ فضائل انہیں نہ دیئے گئے ہوتے اور کبھی کمزور اقوال، موضوع روایات اور خود ساختہ آثار پیش کرنے کا تکلف کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل فرمانے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند رکھیں۔

اب ہم چند ایک احادیث و روایات بیان کریں گے جس میں (اہل بیت) سے بغض و کینہ رکھنے پر منع فرمایا گیا ہے اور اہل بیت سے بغض و کینہ اور عداوت رکھنے والے پر اللہ عزوجل اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غضبناک ہوئے ہیں۔

ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے سیرت میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اہل بیت سے پیش آنے کے بارے میں میری وصیت سن لو کیونکہ میں ان کی طرف سے قیامت کے دن تم سے جھگڑا کروں گا اور جس سے میں مخاصمت

کروں گا اللہ تعالیٰ اسے مغلوب فرمادے گا۔

اور جسے اللہ تعالیٰ مغلوب فرمائے اسے جہنم میں داخل فرمادے گا۔

اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک کونے اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔"

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی کہ قریش ہم سے بے رخی کا مظاہرا کرتے ہیں اور ہمارے آنے پر اپنی گفتگو منقطع کر دیتے ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے حتیٰ کہ رخ انور گلگوں ہو گیا اور دونوں مبارک آنکھوں کے درمیان رگ بھر آئی اور فرمایا۔

"ان لوگوں کا کیا حال ہے جو گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں' جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سلسلہ گفتگو منقطع کر دیتے ہیں! بخدا! کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو گا مگر اس وقت کہ انہیں میری رشتہ داری کی بنا پر محبوب رکھے (ایک روایت میں ہے) اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی انسان کے دل میں ایمان اس وقت ہی داخل ہو گا جب تمہیں خدا اور رسول کے لئے محبوب رکھے۔"

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے مرفوعاً (یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد) روایت کیا۔

"جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے"

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور مجھے میری عزت پاک کے بارے میں اذیت دی' اس پر جنت حرام کر دی گئی۔"

امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں نے سات قسم کے لوگوں پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے' ان میں سے آپ نے اس شخص کو شمار کیا جو آپ کی اولاد کے ساتھ وہ معاملہ جائز سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔"

ابن عدی اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص میری عترت طیبہ اور انصار کو نہیں پہچانتا (یعنی تعظیم نہیں کرتا) تو اس کی تین میں سے کوئی ایک وجہ ہو گی' یا تو وہ منافق ہے' یا ولد الزنا ہے یا جب اس کی ماں اس سے حاملہ ہوئی ہو گی تو وہ پاک نہیں ہو گی۔"

امام طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں' وہ فرماتے ہیں۔

"ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو! جو شخص ہم اہل بیت کو مبغوض رکھے گا' اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اسے یہودی بنا کر اٹھائے گا۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہم اہل بیت کو کوئی شخص مبغوض نہیں رکھے گا مگر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔"

یہ حدیث امام حاکم نے روایت کی اور اسے شرط شیخین پر صحیح قرار دیا۔

سادات کرام کی عزت وتکریم ہر صورت لازم ہے

اگر کوئی سادات کرام میں سے بے عمل ہے تو بھی اس کی تعظیم و توقیر لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی تقصیرات سے ضرور درگزر فرمائے گا۔ یا اللہ عزوجل انہیں موت سے پہلے خالص توجہ کی توفیق عطا فرمادے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس
اھل البیت ویطھر کم تطھیراً

(33 :1 :22)

اللہ (عزوجل) تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ (کنزالایمان)
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے میرے اہل بیت! میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے تین چیزوں کی دعا کی ہے۔

1- تمہارے با عمل کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔
2- تمہارے بے راہ کو ہدایت عطا فرمائے۔
3- تمہارے بے علم کو علم عطا فرمائے۔"

نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے۔

"بے شک فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت

کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو آگ پر حرام فرمادیا۔"

اس کے علاوہ کئی روایات اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر جنت میں جائیں گی۔

بے عمل یا بظاہر گناہگار سادات کرام کی عزت اس کی بے عملی یا اس کے فسق کی بناء پر نہیں بلکہ اس کے پاک اصل اور مبارک نسب کی بناء پر ہے اور یہ نسبت نیک کی طرح بد میں بھی موجود ہے اہل بیت میں سے کسی کا بے عمل و بد ہونا اس کو بیت نبوت سے خارج نہیں کرتا۔ وہ ایسے انسان ہیں جو معصوم نہیں ہیں لہٰذا یہ بد عملی اور فسق ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہوگا۔ اگرچہ ان کے رفیع القدر مرتبہ کے لئے عیب ہے اور صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔

مقریزی نے فرمایا کہ مجھے شیخ کامل یعقوب بن یوسف قرشی مکناسی نے بیان کیا کہ مجھے ابو عبد محمد فاسی نے بتایا کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض سادات سے بغض رکھتا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ خلاف سنت افعال کے مرتکب ہیں ایک دن میں مسجد نبوی میں روضہ مبارک کے سامنے سو گیا مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' آپ نے مجھے میرا نام لے کر فرمایا کیا بات ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! خدا کی پناہ! میں انہیں ناپسند نہیں رکھتا۔ مجھے سنت کے خلاف ان کا عمل ناپسند ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ نافرمان اولاد ہے۔" میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جس کسی ملتا اس کی خوب عزت و تکریم کرتا تھا۔

اے سید گرامی اے شہزادہ شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ

فرمایئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل سنت سے تعصب رکھنے والے کونافرمان' بچہ فرمایاسب جانتے کہ والدین کوئی سے بھی ہوں ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ جس کے جد کریم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں ان کے حقوق کے بارے میں کیاخیال ہے؟

علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"جس شخص کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو۔اسکابڑا جرم اور دیانت اور پرہیز گاری سے عاری ہونا اسے نسب عالی سے خارج نہیں کردے گا اسی لئے بعض محققین نے فرمایا (خدانخواستہ اگر) کسی سید زادے سے زنا' شراب نوشی یاچوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد (سزا) جاری کردیں تواس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امیر یابادشاہ کے پاؤں میں غلاظت لگ گئی ہے اور اس کا کوئی خادم اس دھو ڈالے۔"

اس سلسلے میں سلطان العارفین امام الصوفیہ شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"جب تجھے بارگاہ الٰہی میں اہل بیت کا مقام معلوم ہوچکااور یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی مسلمان کوان سے صادر ہونے والے کسی فعل پر مذمت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک فرمایاہے اب یہ بھی جان لینا چاہیے کوجو شخص ان کی مذمت کرتاہے وہ مذمت اسی کی طرف لوٹتی ہے اور اگر وہ اس پر ظلم کریں تو وہ اس کے گمان میں ظلم ہے' درحقیقت ظلم نہیں ہے' اگر ظاہر شریعت ان پر حق کی ادائیگی کا حکم کرے ان کا ہم پر زیادتی کرنا ایسا ہی ہے جیسے تقادیر الٰہیہ ہم پر جاری ہوتی ہیں' تقدیر الٰہی کے مطابق جس شخص کے جان ومال ڈوبنے' جل جانے یاایسے

ہی دیگر مہلک امور کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی عزیز جل جائے یا ہلاک ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تمام صورتیں اس کے دلی مقصد کے مطابق نہیں ہیں لیکن اسے یہ جائز نہیں کہ وہ قضاو قدر کی برائی کرے' اسے چاہیے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو صبر کرے اور سب سے بلند مقام یہ ہے کہ شکر کرے کیونکہ اس میں مصیبت زدہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت نعمتیں ہیں۔ ان مذکورہ صورتوں کے ماسوا میں کوئی بہتری نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں کے ماسوا میں تنگدلی' ناپسندیدگی' ناراضگی اور بارگاہ الٰہی میں بے ادبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح اہل بیت کرام کی طرف سے جس مسلمان کے جان و مال' عزت' اہل و عیال اور احباب پر کوئی زیادتی ہوئی ہو اسے رضا' تسلیم اور صبر سے کام لینا چاہیے' ہرگز ان کی برائی نہ کرے اگرچہ شریعت کے مقرر کردہ احکام ان پر لاگو ہوں گے لیکن اس سے ان کی مذمت کی ممانعت میں فرق نہیں آتا' یوں سمجھنا چاہیے کہ تقدیر الٰہی اسی طرح تھی ہم نے ان کی مذمت کی ممانعت اس لئے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فضیلت سے ممتاز کیا ہے جس میں ہم ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ ۹

جہاں تک احکام شرعیہ کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی الہ علیہ وسلم یہودیوں سے قرض لیتے تھے اور جب وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تو بہترین انداز میں ادا فرماتے اور جب ایک یہودی نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی تو فرمایا اسے چھوڑ دو! صاحب حق ایسی باتیں کیا ہی کرتا ہے ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم بھی چوری کریں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے کاموں سے محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے جس طرح اور جس حال پر چاہتا ہے احکام صادر فرماتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت نہیں فرمائی' اس وقت گفتگو ہمارے حقوق میں ہے' ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم ان سے مطالبہ کریں حالانکہ ہمیں اختیار ہے' چاہیں تو لے لیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں' افضل تو یہ ہے کہ ہم عام آدمی سے بھی حق طلبی نہ کریں' اس بنا پر کوئی ہماری مذمت نہیں کر سکتا اہل بیت کرام کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہونا چاہیے۔

اہل بیت کرام نے اگر ہمارا کوئی حق لے لیا اور ہم اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور انہیں معاف کر دیا تو ہمارے ئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑی نعمت اور قرب کا مقام ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احکام خداوندی ہم تک پہنچانے پر ہم سے سوائے اپنے رشتے داروں کی محبت کے اور کچھ طلب نہیں کیا' اور اس میں صلہ رحمی کا راز ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مطالبہ فرمایا ہے' قدرت کے باوجود جو شخص اسے پورا نہیں کرتا' قیامت کے دن بارگاہ رسالت میں کیا منہ لے کر جائے گا اور کیونکر آپ کی شفاعت کی امید رکھے گا حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو رشتے داروں کی محبت کا حکم دیا تھا اسے پورا نہیں کیا (یہ تو عام رشتے داروں کی بات ہے) اہل بیت کا کیا مقام ہو گا جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

قرآن پاک میں مودت کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے محبت پر ثابت قدم رہنا' جسے کسی چیز کی مودت ہو اسے ہر حال میں محبوب رکھتا ہے اور جب ہر حال میں مودت و محبت حاصل ہو تو اگر اہل بیت نے اس کا حق لے لیا ہے تو مطالبے کا حق رکھنے کے باوجود از راہ محبت ان سے باز پرس نہیں کرے گا اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دے گا' اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہیں دے گا محبِّ صادق نے کہا محبوب کا ہر فعل محبوب ہے' ایک اور شخص نے کہا۔

میں محبوبہ کی وجہ سے کالے رنگ والوں سے بھی محبت رکھتا ہوں' اس کی وجہ سے میں سیاہ کتوں سے بھی محبت رکھتا ہوں۔

ہم نے یہی مفہوم اس طرح ادا کیا ہے۔

میں تیری محبت کے سبب تمام حبشیوں کو محبوب رکھتا ہوں اور تیرے نام ہی کے سبب میں چودھویں کے چاند سے محبت رکھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ مجنوں (قیس عامری) کے ساتھ سیاہ کتے بودوباش اختیار کرتے تھے اور وہ ان سے محبت رکھتا تھا (کیونکہ لیلیٰ بھی سیاہ فام تھی) جس محبوبہ کی محبت وجہ سعادت اور قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں تھی اس کے محب کا یہ حال ہے اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ محبت میں سچا تھا اور محبت اس کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی۔

اگر تجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت حاصل ہے تو تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھے گا اور تیری طبیعت اور خواہش کے خلاف جو امر ان سے تیرے حق میں سرزد ہوگا اسے تو ان کی ادائے دلبری سمجھے گا اور چونکہ ان سے تیری محبت خدا کے لئے ہوگی اس لئے تو اس بات کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا۔ اس کے محبوبوں اہل بیت کرام سے تیرا تصور کیا اور تیرا ذکر کیا اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا کہ انہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی پاک کی ہوئی زبانوں سے یاد کیا جن کی پاکیزگی تک تیرا علم نہیں پہنچ سکتا۔

تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف محتاج ہے اور آپ کا تجھ پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آپ کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی۔ جب ہم تمہیں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کا بے ادب پائیں تو ہمیں تمہاری اس بات کا کس طرح اعتبار ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہم سے شدید محبت ہے اور

تم ہمارے حقوق کی بڑی رعایت کرتے ہو' تمہارا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا گستاخ ہونا اس بنا پر ہے کہ تمہارا ایمان کمزور ہے تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے اور وہ تجھے آہستہ آہستہ اس طور پر جہنم کی طرف دھکیلتا ہے کہ تجھے خبر نہیں۔

خفیہ تدبیر کا طریقہ یہ ہے کہ تو کہتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں اپنا وہ حق طلب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جائز فرمایا ہے اور اس جائز طلب کے ضمن میں مذمت' بغض' عداوت اور اپنے آپ کو اہل بیت پر ترجیح دینا پایا جاتا ہے حالانکہ تجھے اس خفیہ تدبیر کا پتا نہیں۔

اس مہلک مرض کا شافی علاج یہ ہے کہ تو ان کے مقابل اپنا کوئی حق نہ جان اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا کہ مطالبے کے ضمن میں مذکورہ چیزیں نہ آ جائیں تو مسلمانوں کا حاکم نہیں ہے کہ تجھ پر حد کا قائم کرنا مظلوم کا انصاف اور حق کا صاحب حق کے سپرد کرنا لازم ہوا اور اگر تو حاکم ہے اور محکوم علیہ اہل بیت میں سے ہے تو کوشش کر کہ صاحب حق اپنا حق چھوڑ دے' اگر وہ نہ مانے تو تجھ پر لازم ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کا حکم جاری کر! اے دوست! اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر منکشف فرمادے کہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اہل بیت کا کیا مقام ہوگا تو تو آرزو کرے گا کہ ان کے غلاموں کا غلام بن جائے اللہ تعالیٰ ہمیں رشد و ہدایت بقاء فرمائے۔

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا۔

اقطاب کے اسرار میں سے یہ ہے کہ وہ اہل بیت کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ ان کی بلندی درجات کو جانتے ہیں' ان کے اسرار میں سے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا جاننا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں سے فرمائی جو اہل بیت سے

عداوت رکھتے ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کا فرمان ہے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو' خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت میں سے ہیں' اہل بیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے جس حکم پر عمل کرنے کا مطالبہ فرمایا تھا' اکثر لوگوں نے اسے پورا نہیں کیا اور خدا اور رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی' ہاں انہیں صرف ان حضرات اہل بیت سے محبت ہے جنہوں نے ان پر احسان کیا' یہ اپنی اغراض سے محبت ہوئی اور اپنے آپ سے عشق ہوا (نہ کہ اہل بیت کرام سے)"

(شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت ختم ہوئی' اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم و برکات سے نفع عطا فرمائے)

اہل محبت کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت اسی طرح واجب ہے جس طرح دوسروں پر ان کی محبت واجب ہے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور' تیرا سب گھرانہ نور کا
(حدائق بخشش)

سیدی عبدالوہاب شعرانی منن کبریٰ میں فرماتے ہیں۔

"مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں' میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں اسی طرح علماء و اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں اگرچہ وہ متقی نہ ہوں پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو

سکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر اہل مرتبے اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں' ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں' اسی طرح کسی سید زادی سے نکاح نہ کریں' ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ان کی تعظیم کا حق واجب ادا کر سکتا ہوں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتا ہوں (تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے) لیکن ان کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور نہ ہی کنیز خریدے (تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو) ہم اپنی قدرت کے مطابق انہیں خوراک اور لباس مہیا کریں گے اس میں کمی نہیں کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ کے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ہے (کہ اخراجات حسب استطاعت ہوں)

اسی طرح جب وہ ہم سے کسی جائز خواہش کا اظہار کریں تو ہم اسے پورا کریں گے جب وہ کھڑی ہوں تو جوتے ان کے آگے رکھیں گے اور جب وہ ہمارے پاس آئیں تو ہم ان کے احترام کے لئے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد پاک میں سے ہیں اگرچہ خرید و فروخت کا موقع ہو' ہم کسی سید زادی کے بدن کی طرف نہیں دیکھیں گے ہاں یہ الگ صورت ہے کہ ہم پر شرعاً لازم ہو جائے مثلاً علاج معالجہ کے وقت اگر ہم سے کوئی جوتے بیچتا ہے تو ہم ان کے تہ بند یا شلوار کی طرف نہیں دیکھیں گے کیونکہ یہ بات ان کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہو گی۔"

علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ **"البحر المورود فی المواثیق والعھود"** میں فرماتے ہیں۔

"ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سید زادی سے نکاح نہ کریں مگر اس

وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں' جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جب میں نے ان کی نافرمانی کی تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے' جو شخص تبرک کے لئے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ سلامتی' غنیمت سے مقدم ہے (یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کماحقہ ادا نہ ہو سکے اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے) خصوصاً جب ان کے بعد کسی اور عورت سے نکاح کرلے یا کنیز خرید لے یا اپنے بخل اور خست سے انہیں تکلیف دے' رہا برکت حاصل کرنے کا مسئلہ تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدہ کے حق کی ادائیگی اور ان کی صحیح تعظیم وہی کر سکتا ہے جس کا نفس مر چکا ہو' دنیا سے بے رغبتی کے مقام پر فائز ہو اور اسکا دل نور ایمان سے اس طرح منور ہو کہ اس کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد اپنے اہل' اولاد اور مال سے زیادہ محبوب ہو کیونکہ جو چیز سادات کو تکلیف دے گی وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذیت کا باعث ہو گی' سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کو منع کرتے تھے جو سیدہ کی طرف اس حالت میں دیکھتا کہ انہوں نے جوتا' تہ بند اور نقاب پہنا ہوا ہو اور دیکھنے والے کو فرماتے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شخص تمہاری بیٹی کے تہ بند کی طرف دیکھے تو تمہیں تشویش ہو گی یا نہیں؟ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشویش ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایماندار کو چاہیے کہ جب کسی سیدہ سے خرید و فروخت کرے یا ان کا فصد کرے یا ان کا علاج کرے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی خجالت اور حیاء کے ساتھ یہ کام انجام دے' بالخصوص جوتے بیچنے والے کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

جان برادر! اگر تو احکام شرعیہ پر سختی سے کاربند ہے اور تمہیں ان کی طرف دیکھے بغیر چارہ نہیں ہے مثلاً ان کے بارے میں گواہی دینا ہے تو چاہیے کہ تو پہلے صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دل میں اجازت طلب کر پھر ان کی طرف نظر کر اور اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد سے کامل محبت ہے تو وہ تم سے جو چیز خریدنا چاہیں' انہیں بطور ہدیہ پیش کر دے۔"

پھر حضرت علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی فقیر سید اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح و شام کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انہیں مایوس نہ کریں' کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن فقراء اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے' تو جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے جو شخص فقیر سید کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دے اس پر خداوندی ناراضگی کا خوف ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز اور محمود ہے۔

اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سید یا سیدہ کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انہیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے' کھانا یا کپڑے پیش کریں یا انہیں پیش کش کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجئے تاکہ حسب استطاعت ان کی ضروریات شرعیہ پوری کی جائیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے یہ امر

کس قدر قبیح ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے، وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں اور یہ شخص انہیں کچھ پیش نہ کرے، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(یہ علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام تھا انہی کے الفاظ میں)

یہ تمام تفصیل اس شخص کے بارے میں ہے جس کی سیادت یقینی ہے جس شخص کی سیادت مشکوک ہو۔ اگر اس کا نسب شرعی ثابت ہے تو اس کی سیادت کے پیش نظر ہر شخص پر اس کی تعظیم واجب ہے اور شرعی طور پر اس کی ناپسندیدہ خصلتوں پر انکار لازم ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سیادت سے یہ لازم نہیں کہ فسق نہ پایا جائے اور اگر شرعاً اس کا نسب ثابت نہیں ہے لیکن وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ معلوم نہیں تو اس کی تکذیب میں خاموشی اختیار کی جائے گی کیونکہ لوگ اپنے انساب کے امین ہیں۔ لہٰذا اس کا حال اس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ جو انسان بچ سکتا ہے۔ اس کو زہر نہیں پینا چاہیے۔ جب لوگ کسی ولی کی طرف منسوب لوگوں کا احترام کرتے ہیں تو اس نسبت کے سبب ان افراد کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے۔" علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کا یہ انتہائی تحقیقی کلام ہے۔ اگر کسی کا نسب شرعاً ثابت نہیں اور وہ اس کا دعویدار ہے تو اس بارے میں عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بہترین ارشاد یہ ہے۔

"اے بھائی ہمارا اس سید کی عزت کرنا جس کی سیادت کے صحیح ہونے میں طعن کیا گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صحیح النسب سید کی تعظیم سے زیادہ مقبول ہے کیونکہ صحیح النسب سید کی تعظیم کرنا کسی کے لئے اتنی بڑی فضیلت نہیں ہے جتنی کہ بغیر ثابت النسب سید کی محض نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بناء پر تعظیم کرنے میں فضیلت ہے۔"

(البحرالمورود)

امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمتہ الرحمان سادات کرام کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ فرماتے ہیں اگر قاضی کسی جرم کی پاداش میں اگر کسی سید زادے پر حد شرعی جاری کردے (یعنی سزادے) بھی تو اس وقت یہ نیت کرے کہ "شہزادے کے پاؤں میں کیچڑ لگ گیا ہے۔ میں اس کو دھو رہا ہوں۔

ہمارے پیارے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سادات کرام کی اس قدر عزت و تعظیم فرماتے تھے سچ ہے جس سے بھی محبت ہوتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے محبت ہو جاتی ہے چونکہ سادات کرام 'سرکار مدینہ 'سرور قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہیں لہٰذا ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ ان شہزادوں میں سے کسی سے بالفرض اگر کوئی خطا بھی سرزد ہو جائے تو اس بناء پر ہرگز ہرگز کسی سید زادے سے کراہیت نہیں کرنی چاہیے ہاں اس فعل بد کو ضرور دل مین برا جانیں اور احسن طریقے سے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

اور جتنے ہیں شہزادے اس شاہ کے
ان سب اہل مکانت پہ لاکھوں سلام

ان کی بالا شرافت پہ اعلیٰ درود
ان کی والا سیادت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

زوج بتول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
امیر المومنین مولائے کائنات علی المرتضیٰ
کرم اللہ وجہہ الکریم

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہا سے نسبت ہونے کی وجہ سے ان کے شوہر نامدار حیدر کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

آپ کا نام نامی علی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ شریف کے اندر ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو (اظہار نبوت سے دس سال اور ہجرت نبوی سے ۲۳ سال قبل) جمعۃ المبارک کے دن مکہ معظمہ میں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے نام علی رکھا۔

آپ کے والد بزرگوار ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد المناف ہیں بہ اعتبار نسب آپ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں آپ کی کنیت ابوتراب اور لقب حیدر کرار ہے۔

آپ کی تربیت تمام و کمال حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش رحمت میں ہوئی اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان اظہار نبوت فرمایا تو اس کے ایک دن بعد شرف ایمان سے فیض یاب ہوئے اس وقت

آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔

شان علی

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا۔

"تمہاری حیثیت میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون (علیہ السلام) کی موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کے ساتھ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ترمذی)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے ہیں اور میں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوں۔" (ترمذی)

مزید فرمایا۔

"جس کا میں مددگار ہوں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مددگار ہیں۔"

مزید فرمایا۔ (احمد)

"میں علم کا شہر ہوں۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔"

فرمایا۔ (ترمذی)

"منافق علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت نہیں رکھتا اور مومن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔ (ترمذی)

فرمایا۔

جس نے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

فرمایا۔ (احمد)

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ (ترمذی)

شاہکار رسول صلّی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت کا شاہکار ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاریخ کے مہیب اندھیرے میں حق و صداقت کا چراغ روشن کیا۔ حکمت علم و فضل اور بلاغت میں آپ اپنی نظیر تھے۔ آپ کی شجاعت 'بہادری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔

آپ کی سیرت 'سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد گھومتی ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق اور حقیقت کے لئے جان جیسی عزیز چیز قربان کر دی فاتح 'شیر خدا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہیں۔

آپ تقویٰ و طہارت 'شجاعت 'علم 'اور حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔ ان کی زندگی سادگی اور فقر کا کامل نمونہ تھی۔

ایک دفعہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس صاحبزادے کو شفا دے دے۔ تو وہ تین روزے رکھیں گے نذر قبول ہوئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ رکھا اور افطار کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ تھوڑی سی روئی لائے بی بی خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روئی کو کاتا اور اس کی اجرت کے جو پیسے آئے۔ اس کا آٹا منگوا کر روٹیاں پکائیں جب افطار کا وقت آیا 'تو ایک مسکین نے دروازہ پر سوال کیا آپ نے وہ روٹیاں مسکین کو دے دیں۔ اور خود پانی پر اکتفا کر کے صبح کو روزہ رکھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ وغیرہ کیا کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نجیب الطرفین ہاشمی 'نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سچے عاشق 'سر خیل اولیاءاور خلیفہ چہارم ہیں بحر علم و حکمت 'مخزن سخاوت 'سلطان الشجاع' رہبر اولیائے اللہ مظہر العجائب 'امام المشارق و المغارب 'رازدان شریعت و پیشوائے طریقت ہیں۔

ہجرت کے وقت آپ کو ایک اور شرف عطا ہوا۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کا قصد کیا۔ تو جناب علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ جائیں اور دوسرے دن لوگوں کو امانتیں واپس کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے 'غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے ان میں سے ۲۱ مشرک آپ کی تیغ سے قتل ہوئے تھے۔ غزوہ احد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار نے اپنے نرغہ میں لے لیا۔ تو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر کفار پر شدید حملے کئے اور شجاعت کا بے مثل کارنامہ پیش کیا ہے۔

غزوہ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے جو قوت اور بہادری میں ہزار آدمیوں پر بھاری سمجھا جاتا تھا۔ مقابل صف عسکر اسلام ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس کے مقابلے میں نکلے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح عمرو بن عبدود کے قتل سے دشمنان اسلام کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خیبر کا قلعہ قمروص جب فتح نہ ہو سکا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کا حکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چشم آشوب میں مبتلا تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعاب

مبارک لگادیا۔ آشوب چشم جاتا رہا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہی جست میں خندق کو پار کر کے قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئے اسی کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر لڑے اور قلعہ فتح کر لیا۔ آپ کے اس تحیر کن قوت کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میں جست لگاؤں تو آسمان تک پہنچ جاؤں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن ہی کی برکت تھی۔ آپ سخت جاڑوں کے موسم میں باریک قسم کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

> "صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان سے محبت اور ان کا احترام ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دیکھنا عبادت ہے اولیاء اللہ کے فیض و ہدایت کا مرکز علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ قطب ابدال' او تاد جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تربیت حاصل کرتے۔ ان کی امداد و اعانت سے راہ سلوک طے کرتے ہیں جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت اہل سنت ہونے کی شرط ہے۔

جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ذوالحجہ ۳۵ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ ۲۵ رمضان ۴۰ ہجری میں شہید ہوئے۔

جناب امام حسین و حسن علیہم الرضوان کے علاوہ آپ کی دیگر ازواج سے سولہ فرزند تھے بعض نے تصریح کی کہ آپ کے کل انیس بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ چھ صاحبزادے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی تیرہ میں سے چھ یعنی عباس بن علی' عثمان بن علی' عمر بن علی' ابو بکر بن

علی'ابوالقاسم محمد بن علی اور حضرت امام حسین علیہم الرضوان کربلا میں شہید ہوئے۔ دنیامیں اس وقت صرف پانچ بیٹوں حسن'حسین'محمد بن حنیفہ'عباس'عمر علیہم الرضوان سے آپ کی نسل چل رہی ہے۔

شہادت

۲۰ رمضان المبارک ۴۰ ہجری جامع مسجد کوفہ میں تھے کہ شقی ازلی ابن ملجم خارجی نے اس شمع ہدایت پر جس کی حیات کا ایک ایک لمحہ نوع انسانی کے لئے مشعل راہ تھا اور جو تقویٰ پرہیزگاری'علم ومعرفت میں یکتائے روزگار تھا'زہر آلود خنجر سے زخمی کیا اور یہ آفتاب علم وفضل ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو غروب ہو گیا۔

آپ کا روضہ اقدس نجف شریف میں فیوض ولایت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرکز اور اولیاء'امت کا ملجاوماویٰ ہے۔

خطبات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس جمیل تھے۔ اور آپ کے اقوال اور خطبے اثرپذیری میں آپ اپنی مثال تھے۔

1- "اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے مایوس ہو جا'کسی اور کو فریب دے۔ تیری عمر کوتاہ'تیرا عیش ہے حقیقت'تیرا خطرہ زبردست'ہائے زاد راہ کس قدر کم ہے۔ سفر کتنا طویل اور راستہ کس قدر وحشت ناک ہے۔"

2- "تنگ دلی'بزدلی دور حرص انسان سے اس کا ایمان سلب کر لیتی ہے۔

3- کسی حریص کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تم سے وسعت قلب اور

استغنا چھین لے گی۔

4- کسی بزدل کو اپنا مشیر نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے اندر حرص و ہوا پیدا کر دے گا اور تمہیں ظالم و آمر بنا دے گا۔

5- ایسے لوگ تمہارے لئے بہتر ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور بصیرت سے نوازا ہو گا جن کے دامن پر کسی گناہ کا داغ نہ ہو اور جنہوں نے کبھی کسی ظالم کی اعانت نہ کی ہو۔

6- محسن کا شکر ادا کرو اور شکر گزار پر احسان کرو۔

7- علم دولت سے بہتر ہے کیونکہ تم دولت کی حفاظت کرتے ہو اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔

8- دولت خرچ کرنے سے کم اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

9- جب تم کسی پر احسان کرو تو اسے چھپاؤ اور اگر کوئی تم پر کرے تو اسے پھیلاؤ۔

10- دین خزانہ ہے اور علم اس کا راستہ۔

11- عالم وہی ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔

12- بھلائی کی خواہش، برائی کی خواہش کو دبا دیتی ہے۔

13- پرہیزگاری سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں۔

14- دنیا کی سب سے بڑی غریبی بے عقلی ہے۔

15- ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ تکلیف اٹھاؤ۔

16- بڑی دولت عقل اور بڑی مفلسی بے خوفی ہے۔

17- جھگڑے میں کودنا بہت آسان ہے لیکن نکلنا بہت مشکل۔

18- جاہل کی بات پر تحمل کرنا عقل کی زکوٰۃ دینا ہے۔

19- عقل کامل ہو جائے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔

20- خوش بخت کو آخرت کا اور بد بخت کو دنیا کا غم ہوتا ہے۔

21- حکمت کا درخت دل میں اگتا ہے۔ دماغ میں پلتا ہے اور زبان پر پھل لاتا ہے۔

22- ظلم' ظالم کو بچھاڑ دیتا ہے۔

23- تم بڑوں کی عزت کرو۔ چھوٹے تمہاری عزت کریں گے۔

24- ولادت موت کی قاصد ہے۔

25- سردار بننا ہے تو برے سے نیکی کر۔

26- بوڑھے کی رائے جوان کی قوت اور زور سے اچھی ہے۔

27- ثواب حاصل کرنے کی نسبت گناہ سے پرہیز کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اس کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے شمار ارشادات ہیں جو کسی اور موقع پر بیان کئے جائیں گے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم' آسمان فضائل کا مہر عالم تاب ہیں ان کے اوصاف و محاسن اور فضائل و مناقب میں سے ایک ایک تاج افتخار کا گوہر شاہوار کئے جانے کا مستحق ہے۔ یہاں تفصیل کے ساتھ ان کے حالات و مناجات نہیں تحریر کئے جاسکتے کیونکہ ان کو احاطہ تحریر لانے پر ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

امام اہل سنت رحمتہ اللہ تعالیٰ کیا خوب فرماتے ہیں۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین

ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسل صفاوجہ وصل خدا

باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

اولیں دافع اہل رفض و خروج
چارمی رکن ملت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیرزن شاہ خیبر شکن
پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام
ماحی رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش از اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

اولاد اطہار

سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پانچ اولادیں عطا فرمائیں۔تین لڑکے اور دو لڑکیاں ان کے اسمائے گرامی (ترتیب ولادت کے مطابق) یہ ہیں۔

1- حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2- حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3- حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
4- حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
5- حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض مورخین محسن کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

لیکن مسعودی'یعقوبی'ابوالفراء وغیرہ نے ان کا ذکر کیا ہے ان سب کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ محسن صغر سنی میں فوت ہو گئے۔ مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تین بیٹیاں تھیں۔تیسری بیٹی کا نام رقیہ بتایا گیا ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور جمہور اہل بیت و تاریخ اس کو تائید نہیں کرتے۔

آپ کی اولاد کا تذکرہ بیان کئے بغیر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت نامکمل سی نظر آتی ہے اس لئے ان کی اولاد اطہار کا ذکر اختصار سے کر دیا ہے۔

نواسہ رسول لخت جگر بتول خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا حضرت ابو محمد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام اہل سنت رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیاء
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدیٰ موج بحر ندیٰ
رَوح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہد خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

آپ رضی اللہ عنہ نص حدیث کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا۔ بال منڈوائے اور حکم دیا کہ بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جائے ابو احمد عسکری فرماتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا۔ اور کنیت ابو محمد رکھی جاہلیت میں یہ نام معروف نہیں تھا۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شبیہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چال ڈھال شکل و شبہات میں اور رنگ و روپ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے بہت مشابہ تھے۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ اور ۱۰ حج پیدل کئے۔

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا ایک شخص نے کہا! اے بچے! تو بہت اچھی سواری پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر بٹھایا ہوا ہے اور دعا فرما رہے ہیں۔

"اے اللہ عزوجل میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔"

بخاری شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منبر شریف پر دیکھا' حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے امیر ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔

مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر اس طرح سچ ہوئی کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد سات ماہ تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے لڑائی کی شکل پیدا ہو گئی آپ نے مسلمانوں کی باہم لڑائی اور خون ریزی کو پسند نہ فرمایا اور چند شرائط کے ساتھ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی اور صلح ہو گئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔

دستبرداری کے بعد سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات تک کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہ لیا اور نہایت خاموشی سے اپنا نانا سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار میں زندگی گزار دی ان کے وقت کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے کسی شخص سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا۔

"فجر کی نماز سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے ہیں پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملاقات کے لئے آنے والوں سے ملتے ہیں دن چڑھتے چاشت کی نماز ادا کر کے امہات المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنھن) کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔"

مکہ معظمہ میں ہوتے تو عصر کی نماز بالالتزام حرم پاک میں ادا کرتے اور پھر طواف کعبہ میں مشغول ہو جاتے۔

فکر معاش کی طرف سے بے نیاز تھے کیونکہ اہواز کا سالانہ اخراج ان کے لئے مخصوص تھا۔

اس کثیر آمدنی کو وہ بے دریغ راہ خدا تعالیٰ میں لٹاتے رہتے تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اور تین مرتبہ آدھا مال راہ خدا میں بانٹ دیا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی سائل ان کے در سے خالی ہاتھ چلا جائے حاجت

مندوں کی حاجتیں پوری کرنا ان کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا تھا شکل وشمائل میں سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ سیرت بھی نہایت پاکیزہ تھی ان کے گلشن اخلاق میں زہد و استغنا حلم و تحمل 'جود وسخا' خوش خلقی 'امن پسندی' صلح جوئی 'نرم خوئی اور خیر خواہی امت نہایت خوش رنگ پھول ہیں۔ دوسرے فضائل اخلاق کے ساتھ نہایت عاقل ودانا بھی تھے۔ زندگی بھی فحش کلمہ زبان سے نہیں نکلا۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکیمانہ اقوال میں سے ہے کہ۔

1- مومن وہ ہے جو زاد آخرت مہیا کرے اور کافر وہ ہے دنیا کے مزے اڑانے میں مشغول ہو۔

2- تمہاری عمر برابر کم ہوتی جارہی ہے جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کسی کی مدد کر جاؤ۔

3- جو لوگ تمہارے دوست بننا چاہتے ہیں ان کے دوست بنو کامل کہلاؤ گے۔

4- دانائیوں میں اعلیٰ درجے کی دانائی تقویٰ ہے اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بداخلاقی اور بداعمالی ہے۔

5- اپنی تعریف زیادہ کرنا ہلاکت کا باعث ہے۔

6- مکارم اخلاق دس ہیں۔

(1) زبان کی سچائی' (2) حسن خلق' (3) مہمان نوازی' (4) حق دار کی شناسی' (5) سائل کو دینا' (6) احسان کا بدلہ دینا' (7) حقوق العباد' (8) شرم وحیا' (9) صلہ رحمی' (10) باطل سے جنگ کے وقت حملہ میں شدت۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کے صاحبزادے حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔اور آپ سے صرف تیرہ احادیث مروی ہیں۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باختلاف روایت (۴۷)سال ۴۷ھ یا ۵۰ھ میں وصال فرمایااور جنت البقیع شریف میں اپنی والدہ والدہ' ماجدہ سیدتنا حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات زہر سے ہوئی جوان کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے دیا۔

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گی مدینہ منورہ کے بازار بند ہو گئے اور ہر شخص فرط غم سے نڈھال ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں رورو کر کہتے تھے۔

"لوگو آج خوب رولو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ کے آٹھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

الحسین'زید'عمر'قاسم'ابو بکر'عبد الرحمٰن طلحہ'عبید اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی یہاں اختصار سے بیان کئے گئے ہیں۔

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیاء
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدیٰ موج بحر ندیٰ
رَوح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہد خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

نواسہ رسول، گلشن رسالت کے پھول سیدنا حضرت ابو عبداللہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس شہید بلاشاہ گلگوں صبا
بیکس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
در درج نجف، مہر برج شرف
رنگ روی شہادت پہ لاکھوں سلام

۵ماہ شعبان ۴ھ میں آپ کی ولادت با سعادت ہوئی ان کی ولادت با سعادت کی خبر سن کر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ اور نومولود بچے کے کانوں میں اذان دی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی والدین نے بچے کا نام حرب رکھا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر حسین نام رکھا۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً سات سال تک سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ دوسرے نواسوں اور نواسیوں کی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المومنین سیدنا عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ نہایت عزیز جانتے رہے۔

تمام ارباب سیر نے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بڑے فاضل تھے اکابر مدینہ مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی علوم کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ ان کے تبحر علمی، علم وحکمت اور فصاحت وبلاغت کا اندازہ ان کے خطبات سے کیا جا سکتا ہے جن میں سے کچھ آج بھی کتب سیر میں محفوظ ہیں۔

فضائل اخلاق کے اعتبار سے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیکر محاسن تھے۔ عبادت و ریاضت ان کا معمول تھا قائم اللیل اور دائم الصوم تھے۔ فرض نمازوں کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ ان کے فرزند حضرت علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ شب و روز میں ایک ایک ہزار نوافل پڑھ ڈالتے تھے۔ روزے بکثرت رکھتے تھے اور سادہ غذا سے افطار فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن پاک ضرور ختم کرتے۔ حج بھی بکثرت کرتے تھے اور وہ بھی بالعموم پاپیادہ۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے پچیس حج پیدل کئے آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجالس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھیں۔ لوگ ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اس وقار متانات اور بلندی مرتبت کے باوجود سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمکنت اور خود پسندی سے کوسوں دور تھے اور بے حد حلیم الطبع اور منکسر المزاج

تھے نہایت کم حیثیت کے لوگوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

ارباب سیر نے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے کلمات طیبات نقل کیے ہیں جو دانش و حکمت اور پند و موعظت کا خزینہ ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

1- جلد بازی نادانی ہے۔
2- علم زینت ہے۔
3- صلہ رحمی نعمت ہے۔
4- راست بازی عزت ہے۔
5- جھوٹ عجز ہے۔
6- بخل افلاس ہے۔
7- سخاوت دولت مندی ہے۔
8- نرمی عقلمندی ہے۔
9- رازداری امانت ہے۔
10- حسن خلق عبادت ہے۔
11- عمل تجربہ ہے۔
12- امداد دوستی ہے۔
13- اچھے کام کرتے رہو مگر دل سے۔
14- گمراہی سے شہرت پیدا نہ کرو۔
15- عطا کے ذریعے نیک نامی پیدا کرو۔
16- اپنی زیادہ تعریف باعث ہلاکت ہے۔
17- جو سخاوت کرتا ہے سردار بنتا ہے جو کنجوسی کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔
18- جس کام کو انجام ہی تمہارے لئے دشوار ہو تم اس پر قادر نہ ہو اس

کی ذمہ داری اپنے سر نہ لو۔

19- اس چیز کے درپے نہ ہو جسے تم نہیں سمجھ سکتے یا نہیں پا سکتے۔

20- سردار بننے چاہتے ہو تو حرکت و عمل' جدوجہد کو اپنا معمول بناؤ۔

سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدری صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لڑکوں کے وظیفے مقرر کئے تو جہاں دوسرے اصحاب بدر کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ وہاں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پانچ پانچ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دوسرے لڑکوں پر اس وجہ سے ترجیح دی کہ وہ ان کے آقا و مولا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب نواسے تھے۔

اسعاف میں ہے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی میں دلاور اور بہادر تھے اور آپ کے فضائل میں متعدد حدیثیں بیان کیں۔ ان میں بعض یہ ہیں۔

"حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوں! اے اللہ (عزوجل) جو حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے محبت رکھے اسے محبوب رکھ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نواسوں میں سے ایک نواسا ہیں۔"

حدیث شریف میں ہے۔

"جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی مرد کو دیکھے (ایک روایت میں ہے) جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے وہ حسین بن علی کو دیکھ لے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔

"چھوٹا بچہ کہاں ہے؟"

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے ہوئے اور آغوش رسالت میں

گزر گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا۔

"اے اللہ عزوجل میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور اس کے محبّ کو محبوب رکھ۔"

انہی سے روایت ہے۔

"میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لعاب دہن چوستے ہوئے دیکھا جس طرح آدمی کھجور کو چوستا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ شریف کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

"آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔"

(ابن اثیر وغیرہ)

کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہ تھے کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی تھی۔ آپ نے انہیں کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے والد کی بات کی تکذیب کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔

"آپ خاموش رہیں میں اس معاملے کو آپ سے بہتر جانتا ہوں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا۔

"سیدنا حضرت امام حسین مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ

اپنے والد ماجد کے ساتھ کوفہ میں تشریف لے گئے ان کے ہمراہ جنگ جمل میں پھر جنگ صفین میں پھر خوارج کی جنگ میں شریک ہوئے ان کی شہادت تک ان کے ساتھ رہے پھر اپنے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی پھر اپنے برادر محترم کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال تک وہیں رہے پھر مکہ مکرمہ چلے گئے وہاں آپ کے پاس اہل عراق کے خطوط پہنچے کہ ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد آپ کی بیعت کر لی ہے چنانچہ آپ نے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس بھیجا انہوں نے ان سے بیعت لی اور حضرت امام حسین کو پیغام بھیج دیا۔ تب آپ روانہ ہوئے اور آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔"

یہ واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعتہ المبارک کا واقعہ ہے۔
طوالت کے خوف سے سانحہ کرب وبلا کا واقعہ یہاں تحریر نہیں کیا جارہا۔

اس شہید بلا شاہ گلگوں صبا
بیکس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
در درج نجف مہر برج شرف
رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ واقعہ کربلا پر کچھ اس

طرح رقم طراز ہیں۔

نور نگاہ فاطمہ آسماں جناب! ‏ صبر دل خدیجہ پاک ارم قباب
لخت جگر امام حسین ابن بو تراب ‏ شیر خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لاجواب ‏ گیسو تھے مشک ناب تو چہرہ تھا آفتاب
چہرہ سے شاہزادہ کے اٹھا جبھی نقاب ‏ مہر سپہر ہو گیا خجلت سے آب آب
کاکل کی شام رخ کی سحر موسم شباب ‏ سنبل نثار شام فدائے سحر گلاب
شہزادہ جلیل علی اکبر جمیل ‏ بستان حسن میں گل خوش منظر شباب
پالا تھا اہل بیت نے آغوش ناز میں ‏ شرمندہ اس کی نازکی سے شیشہ حباب
صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا ‏ چمکا جو رن میں فاطمہ زہراء کا ماہتاب
خورشید جلوہ گر ہوا پشت سمند پر ‏ یا ہاشمی جوان کے رخ سے اٹھا نقاب
صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں ‏ جرات نے باگ تھامی شجاعت نے کی رکاب
چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں ‏ دل کانپ اٹھے ہو گیا اعداء کو اضطراب
سینوںمیں آگ لگ گئی اعدائے دین کے ‏ غیض و غضب کے شعلوں سے دل ہوگئے کباب
نیزہ جگر شگاف تھا اس گل کے ہاتھ میں ‏ یا اژدہا تھا موت کا یا آسوء العقاب
چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا ‏ اس سے نظر ملاتا یہ تھی کس کے دل میں تاب
کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں ‏ ایسا شجاع ہوتا جو اس شیر کا جواب
مردان کار لرزہ بر اندام ہو گئے ‏ شیرافگنوں کی حالتیں ہونے لگیں خراب
کوہ پیکروں کو تیغ سے دوپارہ کر دیا ‏ کی ضرب خود پر تو اڑا ڈالا تارکاب
تلوار تھی کہ صاعقہ برق یار تھا ‏ یا از برائے رجم شیاطین تھا شہاب
چہرے میں آفتاب نبوت کا نور تھا ‏ آنکھوں میں شان صولت سرکار بوتراب
پیاسا رکھا جنہوں نے انہیں سیر کر دیا ‏ اس جود پر ہے آج تری تیغ زہر آب

میداں میں اس کے حسن عمل دیکھ کے نعیم
حیرت سے بدحواس تھے جتنے تھے شیخ و شباب

خاتون کربلا سیدتنا حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

نام زینب اور کنیت ام الحسن تھی بعض ایک جگہ ام کلثوم بھی آیا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد ان کی کنیت "ام المصائب" بھی مشہور ہو گئی۔

سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند مشہور الفا

بات یہ ہیں۔

نائبۃ الزہرا' شریکۃ الحسین' راضیہ بالقدر و القضاء' شجاعہ' فصیحہ' بلغیہ' زاہدہ' فاضلہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

مستند روایات کے مطابق سیدتنا حضرت زینب بنت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جمادی الاولیٰ ۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنی شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے بچی کو گود لیا پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور لعاب مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بچی کا نام زینب تجویز کیا اور فرمایا۔

"یہ ہم شبیہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔"

حجۃ الوادع کے موقع پر سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی رسول کریم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ھ میں جب حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کا وقت قریب آیا تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلاؤ۔ وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق نانا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ سیدنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیر کر دلاسا دیا۔

نبی محترم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے وقت سیدہ زینب بنت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی عمر تقریباً چھ (۶) برس کی تھی۔ چھ ماہ بعد شفیق والدہ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دنیا سے پردہ فرمالیا۔ ان حادثوں نے ننھی جان حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ پہنچایا اور ان ہستیوں کی جدائی سے حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے بچے غم والم کی مورتیں بن گئے۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے عالم ہوں تو شاگردوں کی خوش بختی کا کیا ٹھکانا۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے جلیل القدر باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم اور دوسرے اوصاف سے خوب استفادہ کیا حتیٰ کہ زہد و تقویٰ عقل و فراست، حق گوئی بے باکی، عفت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں مثل فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہو گئیں۔

سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دراز قد اور متناسب الاعضاء تھیں۔ چہرہ مبارک پر اپنے نانا سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں وقار حیدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمایاں تھا۔ تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم و فضل میں قریش کی کوئی لڑکی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بے مثال خطیب تھے۔ وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان ورثہ میں ملے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی لختِ جگر کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت سے مطمئن تھے۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لئے ہیں انہیں پڑھ کر کون سا دل ہے جو پگھل نہ جائے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو جائے۔

سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب سن بلوغت کو پہنچیں تو قبلہ کندہ کے رئیس اشعت بن قیس نے ان کے لئے پیغام نکاح بھیجا جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کسی وجہ سے انکار کر دیا اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے۔ شہید غزوہ موتہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب کے فرزند حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نکاح کے خواستگار ہوئے چونکہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی کی زیر نگرانی اور زیر پرورش تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ اور سیرت و صورت میں جوانان قریش میں

امتیازی حیثیت رکھتے تھے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست نکاح کو قبول کر لیا۔ خاندان کے چند بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نہایت سادہ طریقے سے اپنی لخت جگر کا نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مختلف روایات کے مطابق گیارہ یا تیرہ سال تھی۔

سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں۔ اور وہ بھی ان کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں اور خادم بھی لیکن زیادہ تر گھر کا کام کاج وہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے "زینب بہترین گھر والی ہے۔"

۳۷ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تو سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر بھی کوفہ آ گئے۔ کوفہ میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت تندہی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا کام انجام دیتیں۔ کوفہ کی اکثر خواتین ان کے پند و نصائح سے مستفیض ہوتیں۔ یوں ان کے علم و فضل کا چرچا گھر گھر پھیل گیا۔

سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی مصائب و آلام میں گھری ہوئی نظر آتی ہے اگر ان کو تفصیلاً بیان کیا جائے تو ایک الگ دفتر درکار ہو گا۔ یہاں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ اپنے عالی مرتبت اور معدن علم و فضل باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت پر غم واندوہ کا پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا اس کے بعد اپنے شفیق برادر بزرگ سیدنا حضرت امام حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔ اس وقت وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھیں۔

ذی الحجہ ۶۰ھ میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کی دعوت کی دعوت پر اپنے اہل و عیال اور جاں نثاروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکہ سے کوفہ سے عزم کیا تو سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے دو فرزندوں کے ہمراہ اس قافلے میں شامل ہو گئیں۔

دس محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے بھتیجے اور ان کے متعدد جاں نثار شامی فوجی سے مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس حوصلے شجاعت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بہر حال سانحہ کرب و بلا آپ کی آنکھ کے سامنے پیش آیا اس وقت کی تکلیف وہاں سے گورنر ابن زیاد کے پاس جانے کے واقعات اس کے بعد اس قافلہ کا یزید کے سامنے پیش ہونا اور پھر مدینہ منورہ آنا یہ وہ تکلیف دہ اور مصائب و آلام سے بھرے واقعات ہیں کہ بیان کرنے کے لئے ایک دفتر ہے جس کو ہم یہاں بیان نہیں کر رہے۔

سانحہ کربلا کے بے پناہ مصائب و آلام نے سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل و جگر کو پارہ پارہ کر دیا مدینہ منورہ پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ۶۲ ہجری میں انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور یوں پہچان اہل بیت کی سرپرست شہدائے کربلا کی یادگار اور دشمنوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والی بے مثال خطیبہ اپنے محبوب و مظلوم بھائی سے جنت الفردوس میں جا ملیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ شام چلی گئیں دمشق کے پاس حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کچھ زمینداری تھی۔ وہاں پہنچنے کے بعد بیمار ہوئیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہیدان کربلا کے مصائب نہات درد انگیز لہجہ میں کمال فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو سنایا کرتی تھیں لوگ ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان میں اہل بیت کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا عامل مدینہ منورہ نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی اس نے حکم بھیجا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی دوسرے شہر بھیج دو۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے تو جانے سے انکار ردیا پھر بعض لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے رضامند ہو گئیں اور سکینہ و فاطمہ بنات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کچھ دوسری قرابت دار خواتین کے ہمراہ مصر چلی گئیں وہاں کے والی حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نہایت عزت و تکریم کی اور اپنے دار الاقامہ میں ٹھہرایا۔ تقریباً ایک سال بعد ۶۲ھ میں سیدتنا حضرت زینب کبریٰ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

(واللہ اعلم)

سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ
(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیدتنا حضرت زینت صغریٰ بنت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جن کی کنیت ام کلثوم تھی۔ یہ سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چھوٹی بیٹی تھیں بڑی بیٹی حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

طبریٰ نے تفسیر کبیر میں ابن حبان نے "کتاب الثقات" ابن قتیبہ نے معارف' اور ابن اثیر نے 'کامل" میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں اور یہ نکاح ۱۷ ہجری ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔ اس نکاح کی صحت پر اور سند میں کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر آگیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ۔

سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں میں چادریں تقسیم کیں۔ ایک بچ رہی۔ اس کے متعلق تردد تھا کہ کس کو دی جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یا امیر المومنین اعط هذا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عنك یرید ام کلثوم" (صحیح بخاری باب الجہاد)

اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

ایک رایت میں ہے کہ سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلب سے سیدنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک بیٹا زید پیدا ہوا۔ ماں اور بیٹا دونوں ایک ہی ساعت میں فوت ہو گئے۔

(محبّ اہل بیت کون؟ از مولانا سید شبیر حسین شاہ)

مولانا نے یہ روایت حضرت جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدتنا حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں انہوں نے نکاح ثانی عون بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی حضرت عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رحلت کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کیا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو لڑکپن میں فوت ہو گئیں۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت

کس زبان سے ہو بیان عز و شان اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آئیہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدرو شان اہل بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں سو رہا ہے امتحان اہل بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہل بیت
تیری قدرت جانور تک آب سے سیر اب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے ہے زبان اہل بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت
گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنتہ اللہ علیکم دشمنان اہل بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہل بیت
(از مولانا حسن رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ)

کنیز فاطمہ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت فضہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سیدتنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک وفادار کنیز بھی تھیں جن کا نام فضہ تھا۔ اور ان کو شرف صحابیت بھی حاصل ہے۔ حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس النسل تھیں ان کا وطن حبشہ یا سوڈان (نوبیہ) تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نکاح حضرت ابو ثعلبہ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا۔

حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف گھر کے کام کاج میں سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ بٹاتی تھیں بلکہ ان کے ہر دکھ سکھ میں برابر کی شریک رہتی تھیں۔ اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گھر کا ایک فرد تھیں۔

سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز میں آ گئیں۔

حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سال وفات کے بارے میں کوئی مستند روایت موجود نہیں البتہ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند سال بعد فوت ہوئیں اور ان کی قبر حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے ساتھ شام میں ہے۔

خطاب دخترانِ اسلام

اے دختران ملت آپ نے دختر خیر الانام رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ملاحظہ فرمائی اگر سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت طیبہ کا ایک ایک پہلو' ایک ایک لمحہ ایک ایک نقطہ کو احاطہ تحریر لایا جائے اور پھر ایک ایک چیز ایک ایک پہلوئے زندگی سے درس و نصیحت حاصل کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم دفتر بن جائے۔

اے دختران ملت! ذرا غور کیجئے دختر خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حالات زندگی پر کس طرح ایک مکمل حیات طیبہ ہے ان کو ایک مکمل عورت کے جس روپ میں بھی دیکھیں اسی میں ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ اور ایک بہترین سبق ہے گویا سیرت دختر خیر الانام (رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دختران اسلام کے لئے ایک مکمل یونیورسٹی ہیں۔ بحیثیت ایک عورت' بحیثیت ایک بیٹی' بحیثیت ایک بہن بحیثیت ایک بیوی' بحیثیت ایک ماں' بحیثیت ایک مبلغہ یہی ہیں عورت کے روپ۔

اے دختران ملت اسلام! کیا سیدتنا دختر خیر الانام (رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی سیرت طیبہ عورت کے تمام پہلوؤں کی ایک مکمل تصویر نہیں ہے۔ اے دختران اسلام اٹھا کر دیکھیں سیرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بیٹی ایک بہن ایک بیوی اور ایک ماں ایک مکمل عورت ہیں۔

لیکن، آہ! اے دختر اسلام! افسوس تیری سوچ اور تیری حالت پر کہ تو نے اسلام پر ہی اعتراض کرنا شروع کر دیئے۔ کیا آج تو جس معاشرے کا حصہ بننا چاہتی ہے اور جن ترقی پسند عورتوں کی تقلید کرنا فخر سمجھتی ہو کیا ان ترقی پسند اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس کوئی ایک بھی ایسی مثال موجود ہے جو ایک مکمل عورت کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہو۔

اسلام پر اسلام سے ناواقف عورت کے اعتراضات

عورت کی تعلیم کا مسئلہ جتنا ضروری تھا۔ اتنا ہی بے شعور معلمین نے اسکو نازک اور مخدوش بنادیا ہے جس تعلیم سے انسانیت کا دروازہ کھلتا ہے وہ متروک ہو گئی اور نئے نصاب تعلیم نے ایک روشن دماغ، ہونہار اور قابل ترقی صنف کو محض ایک مزین کھلونا بنا کر رکھ دیا۔ جذبات کی دنیا میں بہنے والے انسان اور ننگ دھڑنگ رہ کر فطرت کو سراہنے والے حیوان ناطق نے عورت کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ عورت مستور ہونے کے قابل ہی نہیں اور یہ نہ سوچا۔ کہ ہماری معدوم ستر پوشی انسانیت کو دفن کرنے کے لئے آزادی اور آزاد خیالی کا کونسا ویرانہ تیار کر رہی ہے جہاں ہماری غیر فطری بے راہ روی کو ٹھکانہ ملے گا۔ یا تہذیب کا کونسا گہرا گڑھا کھودا جا رہا ہے جہاں ہماری بے ہودگی آنے والی نسلوں کی غیر فانی عصمت کو دفن کر دے گی۔ انسانی عظمت کی تمام بلندیوں کو مسمار کر کے زمین ایسی ہموار کر دی جائے کہ حیوان حقیقی اور حیوان غیر حقیقی میں کوئی فرق نہ رہے۔ نسوانی جوہر برباد کر دیئے جائیں۔ اور عورت کو ایک ایسے غیر فطری چوراہے میں لا کھڑا کر دیا جائے جہاں اس کو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق عمل میں لا سکے یہ ہے وہ نئی روشنی کا مینار جس پر پرانے سے پرانے اندھیرے کو بھی شرف حاصل ہو سکتا ہے!

آج سے پہلے جو عورت پردہ و حجاب اپنی عصمت و عفت کا بیش بہا زیور سمجھتی تھی وہ مغربی مذہبی قومی ہر تہذیب سے آزاد ہو کر اپنے برہنہ شباب و عریاں حسن کے مظاہرہ کے لئے غیرت و حجاب کی تمام بندشوں کو توڑ کر سینماؤں تھیٹروں 'باغوں' تالابوں 'دریاؤں' چوکوں' کلبوں میں مردوں کے جذبات کو مشتعل اور نگاہوں کو روند کر اپنی ترقی شباب کی امنگوں کو منظر عام پر لانے کی سعی میں مصروف رہے اور معترض ہو رہی ہے کہ۔

(الف) مذہب اسلام عورتوں کے حق میں بہت سخت ہے۔

(ب) اسلام نے عورتوں کے جذبات خیالات اور احساسات کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا۔

(ج) اسلام نے عورتوں کے نسوانی مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسے قیود پیش کئے ہیں جو نا قابل برداشت ہیں۔

(د) موجودہ ترقی یافتہ دور میں عورت کو مردوں کے پیچھے رکھنا اور مکان کی چار دیواری میں پابند آئین بنانا ایک معصوم عورت پر صریح ظلم ہے۔

(ہ) اسلام عورتوں کو مردوں کا محتاج بناتا ہے اور عورت کو حقیر نظر سے دیکھتا ہے۔ عورتیں مستحق ہیں کہ اپنی آزادی کے لئے صدائے احتجاج بلند کریں اور اسلام کے قیود سے آزاد ہو کر یورپ کے پیش کردہ اصولوں پر چلیں تاکہ معاشرہ دنیا میں فلاح پا سکیں۔

ان اعتراضات کا جواب تم ہم آگے چل کر دیں گے یہاں صرف یہ قابل دریافت امر ہے کہ کیا واقعی اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور غیر منصف ہے۔ کیا اسلام کی قیود واقعی ایسی ہیں کہ ان کو توڑ کر پھینک دیا جائے اور کیا آئین اسلام میں عورت کے ساتھ نہایت بے انصافی کا برتاؤ کیا گیا ہے اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔ یہ اعتراض اس عورت کا ہے جو مذہب کے معاملے

میں قطعی ناواقف اور اس نابالغ بچی کی طرح ہے جو کسی ٹھگ کی چار ریوڑیاں لے کر اپنا قیمتی زیور اتروا آتی ہے۔

اگر اس کو اپنی حقیقت کا خیال و احساس ہوتا تو ایسا نہ کہتی۔ کیونکہ اسلام عورتوں کے حق میں ایک پیغام رحمت ہے جس نے عربوں کی زندہ درگور لڑکیوں کو زندگی بخشی جس نے یہودیوں کی ٹھکرائی ہوئی خواتین کو اپنی آغوش محبت میں جگہ دی جس نے مجوس کے عذاب سے اس کو نجات دلائی۔ جس نے عیسائی کی وحشت کاریوں سے اس کو پناہ میں لیا جس نے ہندو کی مظلوم اور منو شاستر کی دھتکاری ہوئی عورت کو عزت بخشی اور ستی کی ظالمانہ رسم سے بچا کر آگ میں کودنے سے روکتے ہوئے وراثت کا حق دار بنادیا۔

دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ شاہد ہے کہ عہد عتیق کی عورتیں کس کسمپرسی اور بدحالی میں مبتلا تھیں۔ یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے اس کا درجہ بلند کیا عزت بخشی اور اس کے چہرے کا وہ آب ورنگ جس کو حریص انسانوں کے وحشیانہ حملوں نے لوٹ لیا تھا دوبارہ واپس دلایا۔ اسلام ہی نے اس کو جنس اشرف میں شمار کرایا اور اس نے اس کی فریاد رسی کی حقوق منوائے اور ہر قسم کی معاشرتی' خانگی اور سماجی مراعات کا مستحق ٹھہرادیا۔ اگر باور نہ ہو تو آؤ اس تفصیل کے لئے بعض تاریخوں کا مطالعہ کریں تاکہ حق آشکارا ہو جائے۔

تواریخ کی روشنی' تاریخ عرب

اہل عرب عورت کے وجود سے صرف متنفر ہی نہ تھے۔ بلکہ یہاں تک اس کے حقیقی مخالف تھے کہ جہاں اس پودے نے جنم لیا۔ فوراً اس کو مسل دیا ان کی قومی عزت اور خاندانی حمیت یہ گوارا ہی نہیں کرتی تھی کہ ان کے گھر میں کوئی بچی پیدا ہو کر زندہ رہ سکے۔ اگر ماں کی ممتا کسی بچی کو کچھ وقت کے لئے باپ کی نظر سے اوجھل کر کے اپنی تمنائیں پوری بھی کر لیتی۔ تو باپ کو جب اس کا علم ہوتا۔ وہ

فوراً اس معصومہ کو اٹھاتا اور کسی دور دراز جنگل میں لے جاکر زندہ ہی پیوند خاک کر دیتا۔ تاکہ قومی طعنہ زنی سے محفوظ رہ سکے۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے زار و قطار رونے لگے۔ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنے ایام جاہلیت کا ایک المناک واقعہ یوں عرض کیا کہ مجھے خداوند عالم نے ایک مرتبہ ایک بچی دی جس کو اس کی ماں نے عرصہ تک زندہ در گور کر دینے کے خوف سے مجھ سے چھپائے رکھا لیکن ایک دن اتفاق سے میں نے اس کو دیکھ لیا۔ تو شفقت پدری جوش میں آگئی اور میرا دل اس سے مانوس ہو گیا اور وہ بھی مجھ سے بے حد پیار کرتی تھی مگر وہ جوں جوں جوانی کی طرف آتی جاتی تھی میرے دل کی دھڑکن بڑھتی جاتی تھی کہ اگر جوان ہو گئی اور قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی تو کیا ہو گا۔ میں نے قلب کو مضبوط کیا اور بچی کو گود میں لے کر بیابان مرگ کی جانب چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں معصوم بچی مجھے بار بار یہ سوال کرتی جاتی تھی کہ ابا جان آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں خاموش دل کی دھڑکنوں کو سنبھالے ہوئے منزل مقصود کی جانب بڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک قبرستان میں پہنچ گیا اور اس بے گناہ بچی کے لئے قبر کھودنی شروع کر دی ننھی بچی میرے پاس بیٹھی تھی جیسے جیسے قبر کی مٹی ہمارے کپڑوں پر لگتی تھی اس کو جھاڑتی جاتی اور کہتی جاتی تھی ”یا ابت اَمْلَئتَبکَ تراب“ ابا جان آپ کے مٹی لگ رہی ہے۔ صحابی فرماتے ہیں کہ قبر تیار ہو گئی اور میں نے ننھی بے گناہ بچی کو قبر میں اتارنا چاہا۔ بچی چیخ کر رونے لگے اور کہنے لگی۔ یا ابت ماذاتفعل ابا جان یہ آپ کیا کر رہے ہیں مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور نہ جہالت نے میرا ساتھ چھوڑا۔ میں بچی کو گڑھے میں ڈال

کر فوراً اس پر بڑے بڑے مٹی کے تودے ڈالنے لگا۔ بچی انتہائی مصیبت میں رو رو کر ماں کو پکار رہی تھی اور بے میں بے دردانہ طور پر جلد جلد اس کو تہہ خاک کرنے میں مصروف تھا۔ آخر میں نے اس کو زندہ دفن کر دیا۔ اور گھر واپس چلا آیا کچھ دن دل میں اس ظلم کی کرید رہی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ محو ہو گئی مگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی منظر میری نظروں کے سامنے آگیا ہے اور اس کو یاد کر کے رو رہا ہوں کیا میری بخشش ممکن ہے؟ کیا خداوند عالم مجھے معاف فرمائے گا؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس روح فرسا واقعہ کو سن کر آبدیدہ ہو گئے اور چہرے مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر بڑی شفقت سے فرمایا ہاں اسلام سے پہلے جو کچھ تم نے کیا ہے رب العزت اسے معاف فرمائے گا کیونکہ وہ جہالت کا دور تھا۔ اس واقعہ کو یہاں پر ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دنیائے عرب کی زندگی کا پتہ چل جائے اور معلوم ہو جائے کہ عرب نے عورت کی بے عزتی اور بے قدری کا کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ ماں بہنوں کے ساتھ بیویوں کا برتاؤ کرتے۔ اور اس پر قصائد لکھ کر فخر کیا جاتا مائیں بہنیں اور تمام محارم ان کے ہاں وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ جس طرح چاہتے اپنے تصرف میں رکھتے۔

سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ظلم و تعدی سے انسان کو بچانے اور عورت کشی کو روکنے کا عزم بالجزم کر لیا اور عرب کے مردہ احساس کو زندہ کر کے فرمایا "اے انسانیت کے دشمنو بتاؤ کہ ایک بے زبان معصومہ کو تم زندہ در گور کر کے کس انسانیت کا ثبوت دیتے ہو یاد رکھو۔ ایک ایسا بھی دن آنے والا ہے کہ جب انقلاب کے اوراق الٹ جائیں گے خداوند عادل و جبار کا تخت انصاف بچھ جائے گا۔ قاتل و مقتول دونوں حاضر لائے جائیں گے۔ عدالت ان سے بای

ذنب قتلت کے معنے پوچھے گی اور مقتول قاتل کا دامن تھام کر یہ سوال کرے گا کہ آخر کس گناہ کے بدلے تم نے ہم کو زندہ زمین میں گاڑ دیا تھا۔ عرب حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کو سننے کے بعد دختر کشی سے باز آگئے اور عورت کی جان میں جان آگئی۔ یہ تھا اسلام کا اعجاز جس نے عورتوں کی کالعدم زندگی میں روح حیات پھونکی اور اس کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

تاریخ یہود

یہود کے نزدیک عورت ایک گندی اور ناپاک ہستی تھی۔ جس کے سایہ سے بھی بچنے کی کوشش کی جاتی خاص طور پر ایام حیض میں وہ سلوک ہوتا جس پر کتے بلی کو بھی ترجیح ہو سکتی ہے گھر کے کام کاج سے الگ کر کے کسی علیحدہ مکان میں بند کر دیتے اور کسی بانس وغیرہ سے باندھ کر دور ہی سے اس کوٹھڑی میں کھانا پہنچاتے گرمی کا خیال نہ سردی کا احساس گویا یہ ایک وہ شے ہے جس کو سردی گرمی سے واسطہ نہیں۔ دم گھٹ کر جان دے یا ٹھٹھر ٹھٹھر کر مرے۔ ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ جسم شل ہو رہا ہے لقوہ ہو چکا ہے فالج گر گیا ہے مگر یہود کا برتاؤ اس صنف نازک سے نہایت بے رحمانہ ہے حسن سلوک کی گنجائش ہی نہیں۔ اسلام نے عورت کو اس بے ہودگی سے بھی نجات دلائی فرمایا عورت اس حالت میں اتنی ناپاک نہیں جتنی یہ کوتاہ نظر سمجھ رہے ہیں لیام ماہواری میں جو ایک عارضی نجاست ہے صحبت و ہم بستری کے علاوہ عورت کو گھر کے امورات میں پورا پورا دخل ہے۔ وہ تمام معاملات کو نباہنے کی مستحق ہے۔

تاریخ مجوس

عورت کی بے حرمتی بے قدری میں تاریخ مجوس بھی اسی طرح داغدار ہے جس طرح دنیا کے دوسرے مدعیوں کی محارم کی تمیز۔ مدارج و مراتب کا خیال ان

میں بھی عنقا تھا۔ عورت صرف ہوس رانی کا ایک آلہ اور جذبات کے پورا کرنے کا کھلونا تھی۔ ماں بیٹی، بہن، چچی، پھوپھی سب ایک ہی غرض کا شکار تھیں۔ کسی کی عصمت کو اپنی نفس پرستی پر قربان کر دینا اور خلاف امید افعال پر قتل و نہب ایک معمولی سی بات تھی۔ اسلام نے اس حیوانیت و شہوانیت کو نہایت معیوب بیان فرمایا اور بزرگ رشتوں کی حرمت پر سختی سے توجہ دلائی معصور متعلقات کی عصمت اس گندگی سے بچانے کے لئے آواز اٹھائی کہ ایسا نہ کرو اس سے ایک غلط معاشرہ بنے گا۔ ناپاک سوسائٹی کی داغ بیل پڑے گی۔

تاریخ ہنود

ہندو قوم وہ قوم ہے جس کے ساتھ ہمارا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے لہٰذا اس کا تمام کلچر ہمارے سامنے ہے اس کے لئے کسی تاریخ کی گہری ورق گردانی کی ضرورت نہیں ہم جس قدر اس کے تعلیم و عمل سے واقف ہیں وہ بلا دلیل بیان کیا جاسکتا ہے تاہم کسی قوم کے قول و فعل کی ذمہ داری مذہب پر رکھتے ہوئے اسکی مذہبی کتب پر نظر ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ منوشاستر، وید ستیارتھ پرکاش، رامائن، گیتا اس مذہب کی مشہور کتابیں ہیں جن سے پتہ چل جائے گا کہ ہندو دھرم میں عورت کی کیا شان ہے اور اس کے مذہبی بانیوں نے عورت کو انسانیت میں کیا درجہ دے رکھا ہے منوشاستر میں عورت کو سانپ اور بچھو سے بدتر ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس قوم میں بھی یہ صنف نازک یہود و مجوس کے مقابلہ میں کم ذلیل و خوار نہیں۔ اس قوم میں عورت کی حیثیت ایک پالتو بلی سے بھی بدتر ہے اس قوم کی عورت کے لئے بیوہ ہونا موت سے بھی بدتر تھا۔ اس کا مرنے والا شوہر تو اپنی موت مرتا مگر عورت کو قومی روایات کے ماتحت اس کے ساتھ خود بخود مرنا پڑتا تھا اور یہ رسم ستی اس کی قربانی یا والہانہ محبت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ مذہبی اور روایتی تشدد تھا جو طوعاً و کرہاً اس کو قبول کرنا پڑتا تھا یہی وجہ

ہوئی کہ اس ظالمانہ عمل کو ہندو مذہب سے دور کرنے کی سعی حکومت انگلشیہ نے کی اور اس کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اگر یہ کوئی خدائی حکم ہوتا تو ہندو قوم اس کے قیام کے لئے مرمٹتی مگر ایسا نہیں ہوا عورتیں اب بھی موجود ہیں اور خاوند اب بھی مرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج کی عورت آج کے مرنے والے خاوند کے ساتھ نہیں مرتی۔ اس وقت عورت کا کام صرف یہ تھا کہ خاوند مرنے کے بعد وہ بھی بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جائے اور بڑوں بوڑھوں کی نافہمی پر اپنے آپ کو جلادے۔

ہندو قوم میں عورتیں آج تک محروم الوراثت ہیں۔ ان کو وراثت کا مستحق جاننا ہندو دھرم کے خلاف ہے اور وہ تمام خاندانی مراعات سے بے دخل ہیں وہ ماں باپ کی محبت کے پیش نظر (پن دان) صدقہ پاسکتی ہیں۔ لیکن حصہ دار نہیں بن سکتیں۔ علاوہ ازیں ان کی بیوی۔ ان کی بے اولادی' ان کا دیوداسی بننا اور ہندو مذہب کے مسئلہ نیوگ دیوی چکر میں پھنسنا ایک وہ مصیبت ہے کہ دنیا بھر کا کوئی مذہب اپنی آغوش میں لی ہوئی عورت کو اس کا تصور بھی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیا یہ ماننے کی چیز ہے کہ یک ظالم خاوند جو عورت کو نہ آباد کرے۔ نہ خرچ دے نہ اس کو علیحدہ کرے تاکہ وہ اپنی زندگی گزارنے کی کوئی آرام دہ راہ تلاش کر سکے۔ مگر مذہباً عورت اس کہ ایسی پابند رہے کہ وہ جذبات کی مجبوری میں ارتکاب گناہ تو کر سکے۔ لیکن تمام عمر صحیح طریق کار کا منہ نہ دیکھ سکے۔ ہندو پنتھ میں ایسے ظالم خاوند سے نجات کی کوئی صورت نہیں اور اگر بدقسمتی سے بارہ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہو جائے تو پھر اس کے لئے تمام عمر تنہائی کا فرد جرم ہے۔ اس کے لئے ہندو مذہب میں کوئی قانون ہی نہیں جس کی رو سے وہ شوہر کے مرنے کے بعد اپنے ایام زندگی مسرت وشادمانی کے ساتھ کاٹ سکے۔

آج یہ ماننا پڑے گا اگر ہندو عورت کو بھی وراثت' نکاح ثانی طلاق کے ذریعہ

ظالم خاوند سے رہائی، رسم ستی سے تحفظ وغیرہ وغیرہ کی مراعات دے کر کسی مذہب نے امن وچین کی زندگی کا سبق پڑھلیا ہے تو وہ مذہب اسلام ہے۔

تاریخ عیسائیت

اب ذرا اس قوم کے معیار زندگی پر نظر ڈالئے جس کی اختیار کردہ طرز زندگی پر دور حاضرہ کی خواتین منہ کھول کر اسلام پر اعتراض کر رہی ہیں اور جس قوم کے احسانات سے مشرقی خواتین کے سر جھکے جا رہے ہیں اور یہ دعویٰ ہے کہ دنیا بھر کی اقوام میں صرف عیسائی ہی وہ قوم ہے جس نے عورت کی وہ قدر کی جس کی مثال دوسری اقوام میں نہیں ملتی۔ اس قوم نے ہی عورتوں کو موقع دیا ہے کہ وہ مردوں کے دوش بدوش چل کر ملک کو ترقی دیں۔ مگر وہ نہیں جانتیں کہ عیسائی قوم کی تاریخ اس معاملہ میں کس قدر تاریک ہے۔ اخلاق سے گری ہوئی تہذیب کا قبول کر لینا یا اپنی مرضی کی بے راہ روی کو پسند خاطر رکھنا اور چیز ہے اور کسی قوم کے بنیادی اصولوں کو زیر نظر لا کر پھر مستحسن سمجھنا اور چیز ہے اگر مشرقی خواتین نے عیسائی ڈھول کا پول بھی محققانہ سے مطالعہ کیا ہوتا تو اس بناوٹ پر قربان نہ ہوتیں۔

آیئے چند صدیاں پیچھے ہٹ کر عیسائیت کی تاریخ پر نظر ڈالئے اور نتیجہ نکالئے کہ کیا عیسائی قوم ایسی ہی روشنی کا مینار ہے جس کی جانب سفر کرنے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے یا یہ تاریکی کا وہ بھیانک ستون ہے جس سے ہر سمجھدار پرے ہٹنے کی سعی کرتا ہے اور کیا اسی کا نتیجہ پاکستان کی آزادی نہیں۔

سنئے! تاریخ شاہد ہے کہ رات دن عفت مآب خواتین کی عزت انہی عیسائیوں کی وحشت کاریوں کی نذر ہوتی تھی۔ جن کی تہذیب کے گیت گائے جا رہے ہیں مکار پادری ہر برائی کے لئے ان کے پیچھے پڑے رہتے اور اسی خیال پر تارک الدنیا رہنے کا مسئلہ بھی ایجاد کیا گیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ

السلام ان کے عالم معاصی و جرائم کا کفارہ دے چکے ہیں عیسائی دنیا پر کچھ عرصہ تجرد کی زندگی کا بھی گزرا ہے جس میں عورتوں سے قطع تعلق ہونا' کھانا پینا' اٹھنا 'بیٹھنا' رہن سہن' سب ترک کر دیا گیا اچھا بھلا آباد گھر ویرانہ بن گیا۔ عورتوں کی زندگی اس قدر تنگ ہو گئی کہ ان کو اخلاقی کمزوری' بے حیائی اور آوارگی کو اپنانا پڑا۔ معاشرت میں ایک سخت اختلال پیدا ہو گیا۔ پرورش کے خطرہ سے بچے قتل ہونے شروع ہو گئے۔

اور وہ بد عنوانیاں ظہور پذیر ہوئیں کہ اگر اس مخدوش ترین زمانہ میں اسلام ان کے آڑے نہ آتا تو عیسائیت عورتوں کے جذبات' خیالات' احساسات کے خون سے ہولی کھیل چکی ہوتی۔ یہ ہم ہی نہیں کہتے یورپ کا نامور مورخ جان ڈریپر اپنی مشہور تصنیف یورپ کی عملی ترقی میں اعتراف کرتا ہے کہ آج یورپ نے طبقہ نسواں کو جو عزت بخشی ہے وہ یقیناً اس قرآنی تہذیب و تمدن کی عکاسی ہے جس کے تاثرات سرزمین یورپ پر نہایت گہرے موجود ہیں۔ قرآن کی خدمات بیشک نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے کے قابل ہیں یہ خدمات قرآن نے اس وقت انجام دیں جب کہ عورتیں ڈنگروں اور مویشیوں سے بھی زبوں تر خیال کی جاتی تھیں۔

ایک اور یورپ کے مورخ ڈاکٹر ہیلی نے بھی اپنی تاریخ اسپین میں اعتراف کیا ہے کہ عیسائیوں نے سپاہیانہ اخلاق میں عورت کے احترام کا سبق ہسپانیہ کے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے جن کی انتہا یہ تھی کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی بھی میدان کارزار میں اپنی عورت کے ساتھ نہایت خلق و نرمی سے پیش آتا تھا اور ماں کی تعظیم تو پرستش کی حد تک پہنچ چکی تھی اور کیوں نہ پہنچتی مسلمانوں کو تعلیم ہی یہ دی گئی تھی کہ تمہاری جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور جن مسلمانوں کا سلوک عورتوں سے اچھا ہے وہی اچھے مسلمان ہیں۔ آج تہذیب جدید کی دنیا

میں احترام نسوانیت کا ایک شور برپا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت کو وہ حقوق کہیں بھی نہیں مل سکے اور نہ مل سکیں گے جو اسلام نے اس کو عطا فرما دیئے ہیں کیا مندرجہ بالا تاریخی حقائق کے پیش نظر دور حاضرہ کی آزاد خیال خواتین اب بھی یہی فیصلہ دیں گی کہ اسلام عورتوں کے حق میں سخت اور سخت گیر ہے اور اس نے ان کے جذبات و خیالات و احساسات کا واقعی کوئی خیال نہیں رکھا۔

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

عورت کی عزت و مرتبت

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے آج تہذیب جدید کی دنیا میں احترام انسانیت کا ایک شور برپا ہے کہ اسلام میں مردوں کے لئے تو سب کچھ ہے اور اسلام مردوں کی پوری رعایت کرتا ہے مگر اس میں عورتوں کے لئے کچھ بھی نہیں۔ عورت ایک مظلوم ہستی ہے جس کے ساتھ اور تو اور مساویانہ سلوک بھی روا نہیں رکھا جاتا ناقص العقل اور ناقص الدین اس کے خطابات ہیں۔ جب فطرت نے مرد اور عورت کو یکساں حقوق عطا کئے ہیں اور تمام دنیا کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش رفیق زندگی ہو کر رہتی سہتی ہیں تو اسلام انہیں کیوں ایسی مراعات سے محروم رکھتا ہے جو اس کا فطری حق ہے۔ مردوں کا بازاروں میں آزادانہ چل پھر کر لین دین کرنا۔ دفتروں، کارخانوں، فیکٹریوں میں کام کاج کر کے روزی کمانا اگر جائز ہے تو عورتوں کے لئے یہ سب کچھ کیوں ممنوع ہے۔ ان کو گھروں میں کیوں مقید کیا جاتا ہے کیا مجلسی زندگی سے محروم رہنے والی ایک بد قسمت صنف نازک ہی ہے پردہ نقاب خاموشی، گھریلو پابندی، چار دیواری کی قید، برقعہ کی لپیٹ یہ سب سزائیں اسی کے لئے تجویز کی گئی ہیں۔ آخر بتایا تو جائے کہ عورت کیوں ان بے رحمیوں کا شکار بنائی گئی ہے وغیرہ وغیرہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام نے عورتوں کے حقوق پر توجہ نہیں کی اور اگر اسلام نے ان کی فطری استعداد کے مطابق ان کو مردوں کے برابر امن چین کی زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہیں دیا تو پھر عورت ساری دنیا و مافیہا سے بھی کچھ نہیں پا سکتی۔ مذہب جس کی بنیاد فطرت کے

اصولوں پر ہو اور جس کام درجہ کے انسان کا تحفظ ہو وہ طبقہ نسواں کو اس کے جائز حقوق سے کیونکر محروم کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون میں جو درجہ عورت کو حاصل ہے وہ کسی قانون میں بھی عورت کو حاصل نہیں ہوا ہندو قانون میں عورت بے چاری خود مختاری کے قابل ہی نہیں سمجھی گئی اور ماں بن کر بھی اس کو اولاد کی زیر نگرانی ہی رہنا پڑتا ہے۔ نہ وراثت میں حصہ ہے نہ عقد ثانی کا اختیار یونانی عورت دوسری استعمالی اشیاء کی طرح فروخت کر دینے والی اور عاریۃً منتقل کی جا سکنے والی چیز تھی۔ مرد بیک وقت جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا تھا۔ رومیوں اور عربوں دونوں میں عورت جائیداد کی حیثیت رکھتی تھی اور مرد کو اس کے قتل کا کامل اختیار تھا عیسائی عورت کو حد سے زیادہ نازک صورتحال میں بھی طلاق نہ ہو سکتی تھی اور وہ ہر جگہ پوری بدسلوکی کی مستحق گردانی جاتی تھی اس پر طرہ یہ کہ صدیوں تک یورپ عورت میں روح کی موجودگی کا قائل ہی نہیں رہا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بھر کے قوانین میں قانون اسلام ہی ایک وہ جائے پناہ ہے جہاں عورت کو راحت کی زندگی گزارنی نصیب ہو سکتی ہے اور جہاں وہ بیک جنبش قلم اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے جو تہذیب جدید اپنی خود پرستیوں کے باوجود قیامت تک نہ دے سکے۔ یہ اسلام ہی کی فیاضانہ بخشش ہے کہ نہ صرف حسن سلوک کا حکم دیتا ہے بلکہ وراثت میں طلاق گھریلو زندگی میں اولاد پر حکمرانی میں مردوں کے برابر بااختیار سمجھتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے حقوق اور اپنی نسوانیت کے اعتبار سے دنیا کی ہر قوم کی عورت سے بدرجہا مختار ہے یہ انسان ہے اور بلند مرتبہ انسان نہ محض افزائش نسل کا ذریعہ ہے نہ منتقل ہونے والی جائیداد' ناجائز طور پر فرد ختگی اور محکوم رہنے والی شے نہیں اور نہ اس کی ذات بے روح اور بے حقیقت ہے غرضیکہ اسلام ہی اپنا جزو سمجھنے اور زندگی کی ہمسفر بنانے کا سبق دیتا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کی دنیا کو جنت بنانے اور قدر و منزلت

کرانے میں عزت کی جگہ دے کر مرد کے دوش بدوش کھڑا کرنے کا انعام کیا ہے
اگر دور حاضرہ کی آزاد خیال خاتون اسلام کی پر حکمت تعلیم کے نکات پر غور کرتی
کہ اسلام نے مرد کو اگر عورت پر فضیلت بھی دی ہے غالب بھی بتلایا ہے عورت کو
اس کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور کہنا نہ ماننے پر تنبیہہ کا اختیار بھی عطا فرما کر
سردار بنادیا ہے تو کیا عورت کو کچھ نہیں دیا؟ اور ضرور دیا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ
اس عورت کو پہاڑ کی جلتی دکھائی دیتی ہے اور پاؤں کی جلتی نظر نہیں آتی اسلامی
عورت حقوق میں مرد کے برابر بنائی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ **ولھن مثل الذی
علیھن** پھر فرمایا اس کی ہمت کا ادنیٰ نقش ہے **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن**
یعنی دونوں مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں گویا
دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے جس طرح لباس جسم ڈھانکتا اور سردی و گرمی
سے بچاتا ہے اسی طرح مرد عورت کا اور عورت مرد کا پردہ ہے جو سرد و گرم زمانہ
میں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں دونوں کو ایک دوسرے سے آرام
ملتا ہے دونوں فطرتاً ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مرد کی عزت عورت کی
عزت سے اور عورت کی عزت مرد سے ہے۔ گویا عورت محکوم ہو کر بھی گھر کی
ملکہ بن گئی ہے اور مرد پر زندگی گزارنے میں اس کے حقوق قائم ہو گئے ہیں جن
کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔ عورت اگر ایک طرف مرد کی محکوم ہے تو دوسری
طرف اولاد کی حاکم بھی ہے جو اس کو میراث اور کنیز سمجھتی تھی۔

اب وہ نہ تو قدیم عورت کی طرح بالکل بے اختیار نظر آتی ہے اور نہ جدید
عورت کی طرح خود سر بلکہ دونوں ایک حد تک مساویانہ درجہ میں رکھ دیئے گئے
ہیں اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام کے قانون میں والدین اور اولاد کے بعد اگر سب
سے بڑا تعلق کوئی ہے وہ زن و شوہر کا ہے تو بے جا نہ ہوگا لیکن شوہر کی ذمہ داریاں
نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں اور اس کو زندگی کے مختلف شعبوں میں زیادہ محنتیں اور

جانکاہیاں کرنی پڑتی ہیں۔اس لئے گھر کی صدارت فرما کر چند اہم قیودو شرائط کے ساتھ بنظر اصلاح وانتظام کچھ اختیارات بھی عطا فرما دیئے ہیں۔ مثلاً فرمایا **الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصلحت والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبعوا علیھن سبیلاً** [1] مردوں کو گھروں کی امارت وصدارت عطا کی گئی ہے اس لئے کہ اول تو قدرت و قانون کی رو سے ایک کو دوسرے پر اللہ تعالیٰ فضیلت عطا فرماتا ہی رہتا ہے اور یہ چیز خود مردوں اور عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ وہ عورتوں کی ضرورت زندگی اور خورد ونوش پر اپنی کمائی بھی خرچ کرتے ہیں۔

پس نیک اور فرمانبردار عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے گھر مال اور ناموس کی حفاظت کرتی ہیں لیکن اب جو عورتیں کہنا نہ مانیں تو نصیحت کرو پھر ان کی خواب گاہ کو تنہا چھوڑ دو۔اس پر بھی محسوس نہ کریں اور متنبہ نہ ہوں تو پھر ان کو مارو۔اگر تیسرے اس مقام پر وہ آمادہ بہ اطاعت ہو جائیں تو پھر ان کی طرف سے نہ دل میں کوئی کینہ رکھو اور نہ انہیں متہم کرنے اور الزام تراشنے کے مواقع تلاش کرو۔

گویا یہ آیت باہمہ گر سلوک و عمل کے لئے بالکل واضح ہے تاہم عورت کی خلقی کمزوری درگونہ بے اختیاری کی بناء پر ظالم و جاہل خاوندوں کے قہر و ظلم کو روکنے کے لئے یہ احکام بھی صادر کر دیئے۔ **ولا تضاروھن لتفتقو** [2] **وعاشروھن بالمعروف** [3] یعنی عورتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ تنگ نہ کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ پھر بالفاظ **محصنین غیر مسافحین** [4] شادی کا مقصد بھی واضح فرمادیا کہ عورت اور مرد محض تکمیل خواہش نفسانی کے لئے یکجانہ رہیں۔بلکہ قاعدہ نکاح کر کے مستقل طور پر رہیں۔

---

[1] پ۵ سورۃ النساء آیت ۳۴ [2] پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۶ [3] پ۴ سورۃ النساء آیت ۹ [4] پ۵ سورۃ النساء آیت

مرد کو حسن سلوک کا حکم دیا ہے کہ وہ قوی ہے اور عورت کو اطاعت و فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے جسمانی و عقلی نقص کی بنا پر گمراہ نہ ہو جائیں اور مرد ان کو جب تک کام کی تاکید کرے اس پر کاربند ہو کر وقت گزارے اور جس برائی سے روکے۔ اس کو ترک کردے اور دونوں پوری بے تکلفی اور دل جمعی کے ساتھ شریک زندگی بنے رہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ زندگی نہایت خوشگوار زندگی ہوگی۔

ایک طرف تو دونوں خود اولاد کی حیثیت سے ماں باپ کی فرمانبردارانہ خدمت سے اطاعت و خدمت کا سبق سیکھ کر اور اس کے خوگر بن کر آئے ہوں گے دوسری طرف ان کا نمونہ ان کی اولاد کے لئے مشعل راہ بنے گا مگر ضروری پابندیاں یہاں بھی سب پر قائم رہیں گے اس طرح پوری نسل کی نسل نیک اور لائق ہوتی چلی جائے گی غور کیا جائے تو دوسری اقوام میں میاں بیوی کے اندر یہ توازن قائم نہیں رکھا گیا کہیں عورت انتہائی نشیب میں ہے اور مرد انتہائی بلندی پر اور کہیں مرد ذلیل ہے عورت حد سے زیادہ بے راہرو۔ عیسائیوں میں تو عورت کا نام تک مرد کے نام میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے اور ہندو مت میں اس کے لئے نہ کوئی حصہ ہے نہ نجرہ نہ وراثت نہ ترکہ نہ مہر نہ گزارہ۔ بلکہ عورت کی عبادت تک مرد کی اطاعت میں جذب کردی گئی ہے جس سے اولاد کو بے انصافی کا پہلا سبق ماں کی گود ہی سے ملتا ہے۔

ایک ذی فہم انسان اس کا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا کہ اسلام نے عورت کے حقوق شناسی اور حق ادائی کے متعلق نہایت عجیب رنگ میں ایک تدریجی صورت اختیار فرمائی جس کی کسی دوسرے مذہب میں مثال نہیں ملتی پہلے عورت کی تکالیف دور کیں پھر ان کو خلع حاصل کرنے کا حکم دے کر ایک اختیار کی طرف قدم اٹھایا پھر معاشرتی آزادی کے ساتھ مالی حیثیت بڑھانے کے لئے مہر کا تعین

فرمایااور اس کی عورت کی مرضی پر چھوڑااور نکاح میں اس کی مرضی اور اس کے کونہایت ضروری قرار دیااور اس کاانتظام خود کرنے یاکسی دوسرے کے زیر اہتمام دینے کاپوراپورااختیار دیا۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ معاشرتی اور مالی ارتقاء تو ہو گیا۔ مگر ابھی علمی' اخلاقی مذہبی میدان باقی ہیں۔ جن میں مرد کا کلی تفوق ظاہر ہو رہا تھا۔ یہاں بھی مساوات اور بالکل مساوات پر لے آیا گیااور علوم و فنون کا حاصل کرنامرد عورت دونوں پر یکساں فرض کر دیا گیامذہب میں مرد ہی کی طرح عورت بھی نماز' حج' زکوٰۃ اور دیگر تمام امر ونواہی کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی اور **من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینه حیوۃ طیبة** فرماکر واضح کر دیا کہ جس نے بھی نیک اور شریفانہ عمل کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ اس کا اللہ جل شانہ اور رسول علیہ السلام اور آخرت پر ایمان بھی ہو۔اس کی زندگی اچھی ہو گی اور ہم اس کو ایک اعلیٰ اور خوشگوار زندگی گزارنے کے قابل بنادیں گے گویااسلام نے قطعی طور پر اس امر کا فیصلہ فرمادیا کہ عورت اور مرد دونوں دینی اور دنیاوی ترقی یکساں طور پر کر سکتے ہیں اس لئے کہ دونوں میں اس کی پوری اہلیت اور دونوں اس میں برابر ہیں۔

یہی سبب ہوا کہ اسلام نے عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مادی اعتبار سے بڑی بڑی دولت مند علمی اعتبار سے بڑی بڑی فاضلہ ویگانہ روزگار روحانی اعتبار سے بڑی بڑی پاکباز و عبادت گزار اور عسکری اعتبار سے بڑی بڑی شہسوار و نبرد آزما عورتیں پیدا فرمادیں جنہوں نے طبقہ رجال سے اپنی عظمت و قابلیت کا اعتراف کر لیا۔

نسوانیت کالحاظ اور مرد و عورت میں تقسیم عمل

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فطرت نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ ہر شے کے ذمہ ایک خدمت ہے جس کو اپنے حدود میں رہ کر انجام دینا اس کا فرض ہے

جس طرح اور مخلوق ہے اسی طرح انسان بھی فطرت کے اس کارخانے کا ایک بہت بڑا رکن ہے جس کے ذمہ بقائے نسل اور تعمیر و تمدن کا عظیم الشان کام ہے اور اس کام کی بنیاد فطرت نے مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اشتراک عمل پر رکھی ہے جب تک یہ عمل فطرت کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے نسل چلتی ہے اور تمدن ترقی کرتا ہے اور جب خلاف ہوتا ہے تو نسل تباہ اور تمدن برباد ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان ہونے میں مرد و عورت مساوی ہیں۔ تمدن کی تعمیر و تاسیس تہذیب کی تشکیل اور انسانیت کی خدمت میں دونوں برابر کے شریک ہیں دل' دماغ' عقل' جذبات خواہشات و بشریٰ ضروریات دونوں رکھتے ہیں۔

تمدن کی اصلاح کے لئے دونوں کی تہذیب نفس' دماغی تربیت اور عقلی و فکری نشوو ارتقاء یکساں ضروری ہیں۔ تاکہ تمدن کی خدمت میں ہر ایک اپنا پورا پورا حصہ ادا کر سکے۔ اس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ صحیح ہے اور صالح تمدن کا فرض یہی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی فطری استعداد اور صلاحیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دے عورت کو علم اور اعلیٰ تربیت سے مزین کرے۔ اس کو تمدنی اور معاشرتی حقوق عطا کرے اور معاشرت میں عزت کا مقام بخشے تاکہ اس میں بھی عزت نفس کا احساس پیدا ہوا۔ اور اس کے اندر وہ بہترین بشریٰ صفات ابھر سکیں۔ جو صرف عزت نفس ہی کے احساس سے ابھر سکتی ہیں لیکن سوسائٹی میں چونکہ عورت کو عورتوں سے زیادہ مرد کی صحبت اور مرد کو مردوں سے زیادہ عورت کی صحبت پسند و مرغوب ہوتی ہے اس لئے نسل و تمدن کی پاکیزگی کو ہر قسم کی آلائشوں اور فتنوں سے پاک رکھنے کے لئے اجتماعی فلاح کو انفرادی لطف اندوزی پر ترجیح دی جانی ضروری اور عورت مرد کے آزادانہ

میل ملاپ اور ارتباط و اشراح پر ضبط و اعتدال کے اصولوں کے ماتحت بعض قیود عائد کرنی لازمی تھیں۔ تاکہ ان کے باہمی روابط اور صنفی میلانات نہ تو حد سے اتنے بڑھ جائیں کہ ان کی روک تھام ہی مشکل ہو جائے اور اتنے کم ہو جائیں کہ فطرت کے منشاء کو پورا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

بدیں وجہ مذہب اسلام فطرت کے منشاء کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنے لانے والے کے ذریعے عورت اور مرد کو ان کے دوائر عمل اور فرائض و واجبات سے آگاہ کرتا اور ان کی جسمانی ساخت ذہنی و فکری قابلیت' صنفی تعلق و عمل طاقت و اہمیت اور جذبہ استقلال و قربانی کو مد نظر رکھ کر ان کو کام تقسیم کر کے ان کے عملی اشتراک اور تمدنی تعاون کی حدیں مقرر کرتا ہے کیونکہ مرد اپنی ساخت میں مرد اور عورت اپنی خلقت میں عورت ہے لیکن دونوں کا مرکز ایک اور دائرے مختلف ہیں۔ دونوں کا مقصد مشترک مگر راستے الگ الگ ہیں۔ دونوں کے کام کی نوعیت ایک ہے مگر طریقے جدا جدا ہیں۔ اگر ایک پہلو میں مرد بوڑھا ہو اور عورت کمزور ہے تو دوسرے پہلو میں عورت بوڑھی ہوئی اور مرد کمزور ہے دونوں کی تکوین میں کمی بیشی قدرت کی بہترین صنعت ہے جو دونوں کے اختلاف عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور دونوں بچپن ہی سے اپنے مخصوص رجحانات کا اظہار کرنے لگ جاتے ہیں وہ عورت ہی ہے جو سوسائٹی کے لئے مرد پیدا کرتی اور اس کی لوح صیقل پر شرافت یا رزالت کے اولین خطوط کھینچتی ہے مرد خواہ کتنی کوشش کرے تنہا یہ بلند مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا اور عورت چاہے کتنے ہاتھ پاؤں مارے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اپنی اڑان سے اونچی نہیں جاسکتی اور نہ کسی طرح بھی مرد کا بدل ثابت ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ عورت کی وقعت صنف میں اور مرد کی فضیلت قوت میں ہے پھر جو شخص قدرت کے اس نظام کو درہم برہم کرتا اور عورت و مرد کی مساوات کا دعویٰ

کرے خلفشار ئے عمل کو مخلوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ فطرت انسانی کو غلط سمجھا ہے جو عورت غیر متعلقہ اشغال میں الجھ جاتی یا اپنے حلقہ سے باہر نکل کر مردوں کے حلقے میں جا دھمکی ہے اور اپنا کام چھوڑ کر مردوں کے کاموں میں دخل دینا شروع کر دیتی ہے وہ حکمت وجود کی خلاف ورزی کر کے اپنی بلندی مرتبت کو خیر باد کہہ دیتی ہے ایسے ہی جو مرد عورت کے حقوق سے چشم پوشی کر کے اپنے ذمہ دارانہ فرائض کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتا ہے وہ ہیت اجتماعی کو نقصان پہنچا کر ترقی کو روکتا اور جماعت کا مجرم ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس سے خودسری اور بے اطمینانی بڑھتی ہے اور جس سے مرد و عورت کی خانگی زندگی برباد ہو کر رہ جاتی ہے عورت اپنا چین اور مرد اپنا اطمینان کھو بیٹھتا ہے اسی خلفشار کے پیش نظر اسلام نے عورت کو وہ سب کچھ دیا جو دنیا آج تک اس کو نہ دے سکی۔ مگر اس نے نہ اس کو بے عنان ہونے دیا اور نہ مرد کو بے لگام بنایا۔ کیونکہ عورت کو اگر اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اور اسے اتنی آزادی دے دی جائے کہ وہ جو چاہے کرے اور جہاں چاہے جائے تو طوائف الملوکی پھیل جائے۔ ہڑبونگ مچ جائے اور بنے بنائے کھیل بگڑ جائیں۔ جماعتی زندگی میں ہر وہ فعل جو کسی دوسرے فرد کی کارکردگی کو گھٹائے یا جس کا وجود جماعت کی زندگی پر بارگراں ہو جائے روا نہیں رکھا جا سکتا۔ جماعت کسی شخص کی آزادی یا ذوق و جمال و کمال کی خاطر کوئی نقصان برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ جب گھر سے باہر کی زندگی میں فطرت نے عورت کے لئے کوئی کام نہیں رکھا۔ تو اس کو زبردستی باہر نکل کر مردوں میں دخیل ہونے اور اپنی مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے بغرض محال اگر اس طرح عورت کی اقتصادی اور مالی اہمیت کچھ بڑھ بھی جائے تو گھر کی سلطنت کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہوں گی۔ ان کی کمی کون پورے کرے گا۔

مغرب نے نسوانیت کی رعایت کئے بغیر عورت کو غیر معمولی آزادی دے دی اور مرد کی گرفت ڈھیلی کر دی جس کا خمیازہ بھگت رہا ہے جس طرح بچے ہر قسم کے حقوق رکھتے ہوئے بھی آزاد چھوڑ دیتے پر خراب ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی برباد کر کے ماں باپ کے لئے بھی موجب رنج بنتے ہیں۔اسی طرح عورت بھی ہر نوع کے حقوق رکھتے ہوئے شوہر کی عدم اطاعت اور اپنی آزادروی سے خود سر ہو کر خود بھی خراب ہوتی ہے اور مرد کے لئے بھی آرام جان ہونے کی بجائے آزارِدل بن جاتی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص عورتوں کے باہر نکلنے پر زور دیتا ہے تو وہ فطرت انسانی 'نظام معاشرت اور پردے کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے اور جو عورت گھر سے نکلے بغیر اپنی زندگی کے پروگرام کو نامکمل سمجھتی اور مردوں کی محفل کا سنگار بنے بغیر اپنی نسوانیت کو ضائع ہوتا ہوا خیال کرتی ہے اس کے مقاصد کو محض مجلسی تصور کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

عورت کے مدارج

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بے زبان اور غریب طبقہ نسواں کی مظلومیت ملاحظہ فرمائی تو قوم کو پیغام دیا کہ مرد اور عورت ایک ہی اصل اور ایک ہی جوہر سے ہیں اس لئے مردوں کو چاہیے کہ عورت کو کمزور سمجھ کر اس پر حکمرانی کی نہ ٹھانے اور اس پروردگار عالم سے ڈرے جس نے دونوں کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے۔ مولا کریم نے تمام تر روحانی مدارج اور فلاح اُخروی میں عورتوں کو مردوں کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور کسی قسم کی تفریق نہیں فرمائی قرب خداوندی کا انعام دونوں کے واسطے یکساں طور پر ہے نجات اُخروی اور فلاح عقبیٰ کا مرد ہی اجارہ دار نہیں بلکہ دونوں میں سے وہ زیادہ مستحق ہے جو زیادہ نیک کام کرے اور زیادہ متقی ہو۔ فطری جسمانی کمزوریاں اور تخلیقی

خامیاں عورت کی ذلت کا تمغہ نہیں بلکہ اس کی نزاکت کا روشن پہلو ہیں۔ جن کا پایا جانا خاطر فطرت نے اس کے لئے ضروری سمجھا اگر یہ اس میں نہ ہوتیں تو وہ چراغ خانہ نہ بن سکتی قدرت نے اسلام میں جو مدارج اس کی کمزوریوں کے باوجود اس کو مرحمت فرما دیئے ہیں وہ ایک جمال ہے جس کی تفصیل نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ بخوبی واضح ہو جائے کہ عورت کی مختلف سہ گانہ حیثیتوں میں علیحدہ علیحدہ بانئ اسلام نے اس کا کیا درجہ اور حق قائم فرمایا ہے۔

لڑکی کی حیثیت میں

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو مولا کریم نے لڑکیاں عطا فرمائی ہوں وہ ان کی باحسن وجوہ پرورش کرے وہ لڑکیاں اس کے اور دوزخ کے درمیان آڑ بن جائیں گی پھر ایک حدیث قدسی ہے کہ جس نے دو لڑکیاں پالیں وہ شخص اور میں جنت میں ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین نیکی کیا ہے کہ تیری لڑکی جو تیرے پاس آئی ہو اور تیرے سوا اس کا کوئی دستگیر نہ ہو تو' تو اس کی دستگیری کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو خداوند عالم نے لڑکی عطا فرمائی اور اس کو نہ زندہ دفن کیا اور نہ ہی اس کو ذلیل سمجھا اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دی وہ بہشت میں داخل ہو گا اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ کوئی بال بچے دار شخص جب کوئی چیز بازار سے لائے تو واجب ہے کہ اس کی تقسیم کی ابتدا لڑکی سے کرے کیونکہ جو لڑکی کو خوش رکھتا ہے وہ گویا حق تعالیٰ سے ڈر کر رہتا ہے اور آتش دوزخ اس پر حرام ہوتی ہے۔

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جب بھی حاضر ہوتیں و حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبت سے کھڑے

ہو جاتے اور حضرت سیدہ کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ کیا اس سے بڑی عزت کسی مذہب میں لڑکی کے لئے ممکن ہے) اس کے علاوہ سب سے زیادہ حق رسائی یہ ہے کہ لڑکی اسلام میں محروم الوراثت نہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ کریم تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے کہ ایک بیٹے کے لئے دو بیٹیوں کا حصہ ہے اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے واسطے دو تہائی اور ایک ہو تو نصف۔ کیا ادیان عالم اور اقوام دنیا میں کہیں بھی یہ تقسیم ملتی ہے؟ یہ وہ حیثیت ہے کہ جس پر کسی بناوٹی نقد و نظر کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

بحیثیت ماں کے

سوسائٹی میں عورت کی ایک اہم حیثیت ماں کی ہے جتنی اہمیت اور جتنا احترام حضور علیہ السلام نے ماں کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ ایک نہایت بلند ڈگری ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کر اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی تیرے پاس بڑھاپے میں پہنچیں تو ان کے سامنے اف بھی نہ کرنا اور ان کے ساتھ سختی سے نہ بول' بلکہ نرمی سے ان کے ساتھ بات کر اور عاجزی کا بازو ان کے لئے جھکا دے اور ان کے لئے دعا کر۔ کہ اے رب ان پر رحم فرما جیسے رحم سے بچپن میں انہوں نے مجھے پالا۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کن موثر الفاظ میں جاہل لوگوں کو سمجھایا ہے کہ دیکھو جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے اپنی ضعفیہ ماں کو سات حج بیت اللہ شریف کے' اپنے کندھوں پر بٹھا کر کرائے ہیں کیا۔ میری طرف سے ماں کا حق الخدمت ادا ہو گیا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو تم اتنا معاوضہ بھی ادا نہیں کر سکے جتنا تمہاری ماں نے تمہیں گیلے بستر سے اٹھا کر سوکھے کی جانب لٹا دیا تھا۔ اسی طرح

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حاضر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے عرب کا فلاں ریگستانی علاقہ اپنی ضعیفہ ماں کو کندھوں پر اٹھا کر عبور کر لیا ہے اور میرے پاؤں گرم ریت سے آبلے پڑ کر زخمی ہو گئے ہیں۔ کیا میں نے اپنی ماں کا کوئی حق ادا کیا ہے۔ فرمایا ہاں ممکن ہے کہ مولا کریم تیری اس محنت کو تیری ماں کے کسی درد کے اس چھوٹے جھٹکے کے عوض میں قبول فرمالے جو تیری پیدائش کے وقت تیری ماں کو لگے۔ ایک صحابی ابی الطفیل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئی آپ سے باتیں کرتی رہی پھر جب وہ اٹھ کر چلی گئی تو ہمارے عرض کرنے پر کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بی بی کون تھیں معلوم ہوا کہ آپ کی رضاعی والدہ تھیں۔ اسی طرح کی ایک اور مثال حضور علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے حضور علیہ السلام نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب مصر کو فتح کرو تو مصر کے رہنے والوں سے حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ اس لئے کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ اس سرزمین کی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی اور مصر والوں نے اپنے ساتھ فاتحین کا وہ سلوک دیکھا تھا جو لاجواب تھا۔ آخر ان سے نہ رہا گیا اور سوال کیا کہ اس قدر مہربانی کی کیا وجہ ہے تو ان کو جواب دیا گیا جو کہ مذکور ہوا ہے تو ایک پادری بول اٹھا کہ پیغمبر کے سوا اور کوئی ہستی عورت کا ایسا احترام نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم نے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ اگر اس کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور وارث ہو ماں باپ تو ماں کو تیسرا حصہ اور اگر اس کے بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ بعد وصیت یا بعد ادائیگی قرض کے معین فرمایا

ہے۔

بحیثیت بیوی

عورت کی ایک اور اہم حیثیت بطور بیوی کے ہے اور اسی حیثیت میں عورت کی مظلومیت بھی آشکارا ہے اس لئے پہلا حکم خداوندی جو اس باب میں نازل ہوا یہ تھا کہ بیوی موجب تسکین ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے واسطے تمہاری بیویاں بنا دیں۔ تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور اسی نے تمہارے درمیان الفت اور محبت پیدا فرمائی۔ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ اور ان کو وہی کھانے کو دو جو خود کھاؤ۔ اور ان کو وہی پہناؤ جو خود پہنو۔ اور ان سے درشتی سے پیش نہ آؤ تمہارے ترکہ میں سے وہ چوتھائی حصہ کی حقدار ہیں۔ اگر ان سے تمہارے ہاں اولاد نہ ہو اور اگر ہو تو آٹھواں حصہ کی مالک ہوں گی۔

گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے عورت کو حق ملا ہے کہ وہ خود مختارانہ طور پر کسی جائیداد کی قابض و مالک ہو سکتی ہیں ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک وہ ایک ذلیل ترین چیز تھی۔

اے دختر ملت! اب تیرے سامنے اسلام کی وہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہو گئی جو اس نے عورت کے حقوق میں بیان کی ہے اسلام کے علاوہ جتنے دیگر مذاہب ہیں ان میں عورت کا کیا مقام تھا اور اب کیا مقام ہے۔ اس کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔ اب فیصلہ کرنا تیرے اختیار میں ہے اغیار اسلام کے طور طریق پر چل کر دشمنان اسلام کو خوش کر دیا اسلام تعلیمات پر عمل کر اپنے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کر لو۔ یاد رکھو دنیا کی زندگی صرف چندان کی ہے ایسا نہ جب زندگی کی شام ڈھلنے کو اور کاروبار زندگی بند ہونے کو آئے پھر ہمیں اپنی اس گزشتہ زندگی پر افسوس کو جو ہم نے تعلیمات اسلام کے بغیر گزاری ہو۔ اے دختر ملت' ذرا سوچ کہ سیدتنا حضرت فاطمۃ

الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو اس بات کی بشارت دے دی گئی ہے کہ وہ نہ صرف دنیا میں عورتوں کی سردار بلکہ جنت کی عورتوں بھی سردار ہیں۔اس کے باوجود ان کی زندگی عین احکام اسلامیہ کے مطابق گزری۔ان کے شب و روز اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے میں گزرے جنت میں عورتوں کی سردار ہونے کی بشارت نے ان کے عمل میں کسی قسم کی کوئی سستی اور کاہلی نہیں ڈالی۔نہ ہی کسی قسم کی روگردانی کا ارتکاب کیا۔سچ کہتے ہیں۔

یخاف علی نفسه من یتوب

فکیف تری حال من لا یتوب

یعنی وہ لوگ مسلسل اپنی جان کو رو رہے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور تیرا کیا بنے گا جو توبہ سے غافل ہے۔مطلب جو لوگ عبادت و ریاضت کرتے ہیں جو دن رات اللہ عزوجل کے احکامات کے آگے سرخم تسلیم کیے ہوئے ہیں جو اس کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو نیک اعمال کرنے کے باوجود ہر وقت توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں ان کا یہ حال ہے اور جو لوگ جو اسلامی بہنیں اور جو اسلامی بھائی توبہ سے غافل ہیں۔جنہوں نے احکامات محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پس پشت ڈالا ہوا ہے جو قبر اور قیامت کی ہولناکیوں سے یکسر غافل ہیں۔جو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں جو دن رات گناہوں کی دلدل میں غرق ہیں ان کا کیا بنے گا۔

یاد رکھو جن لوگوں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نافرمانی کی اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں بڑی ہی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں فرمان خداوندی ہے۔

ان بطس ربك لشديد

بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔

اے میرے بھائیو اور بہنوں اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی سخت پکڑ سے بچایئے اور مرنے سے پہلے پہلے سچی توبہ کر کے اس کے حضور جھک جایئے اور باقی ماندہ زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیجئے۔ اور شیطانی وسوسوں اور نفس کے بہانوں سے اپنی جان چھڑایئے اور قلیل زندگی کو آج ہی اپنے رب تعالیٰ کے حضور جھکا دیجئے اپنی زندگیوں میں اسلامی احکامات کا ایسا رنگ پھر دیجئے کہ جو بھی دیکھے وہ کہہ اٹھے کہ وہ دیکھو دیوانہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرہا ہے۔

اور اے میری اسلامی بہنوں آپ بھی اپنی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگ لیجئے دیکھئے اب آپ کے سامنے خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی ایک بہترین عملی نمونہ ہے ان کی زندگی کو اپنے سامنے رکھئے اور پھر کوتاہیاں اور خامیاں دور کیجئے۔ دیکھو عمر بہت قلیل ہے۔ اس چکر میں بالکل نہ پڑھیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے ہم کل سے نمازیں شروع کریں گے کل فلاں کام کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا تدری نفس ماذا تکسب غدا

یعنی کوئی جان یہ نہیں جانتی ہے کہ وہ کل کیا کرے گی۔

ہو سکتا ہے کہ کل کا دن اس کی زندگی کا آخری دن ہو اگر کل کا دن اس کی زندگی کا آخری دن نہ ہو تو بھی کوئی نہ کوئی آخری دن آیا ہی چاہتا ہے اور اگر آج کی رات آخری نہ ہو گی تو کوئی نہ کوئی آخری رات بھی آنے والی ہے۔

اے غفلت میں پڑے ہوئے لوگو اپنی زندگیوں کو سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈھال لو اور اپنے آپ ان لوگوں میں شمار کرالو جن کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے کہ۔

ان کو نہ کوئی غم ہو گا نہ کوئی تکلیف راحت ہی راحت ہو گی۔ جن سے اللہ تعالیٰ عزوجل راضی ہو گا اور اس کا رسول راضی ہو گا ان کو عالم نزع عالم برزخ عالم حشر قیامت جہنم غرض کسی چیز کا نہ خوف ہو گا اور نہ کوئی غم۔

اے رب (عزوجل) مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بطفیل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم تیری اور تیرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے طلبگار ہیں ہمیں اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا عطا فرما۔
امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اختتام

آخر میں اس دعا پر اپنی تالیف کا اختتام کرتا ہوں۔

ربنا لا تواخذ نا ان نیسنا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کماحملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین

(البقرہ رکوع 40)

ماخذ

اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے بلاواسطہ یا بالواسطہ مدد لی گئی ہے۔

1- القرآن الحکیم
2- کنزالایمان
3- خزائن العرفان
4- تفسیر الحسنات
5- تفسیر نعیمی
6- تفسیر ابن عربی
7- تفسیر ابن کثیر
8- تفسیر روح البیان
9- تفسیر خازن
10- تفسیر روح المعانی
11- تفسیر کبیر
12- صحیح بخاری
13- صحیح مسلم
14- مستند ابوداؤد
15- جامع ترمذی

16- امام نسائی

17- مشکوۃ شریف

18- بیہقی شریف

19- مواہب لدنیہ

20- روضۃ الاحباب

21- کتاب الوفا

22- مستدرک حاکم

23- ابن ماجہ

24- الاستعاب

25- مدارج النبوت

26- طبرانی

27- الخصائص الکبریٰ

28- سیرت انوار جمال مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

29- سیرت جمال مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

30- سیرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

31- سیرت رسول عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

32- رحمتہ اللعالمین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

33- تاریخ ابن سعد

34- تاریخ ابن ہشام

35- الاصابہ

36- قصیدہ بردہ شریف

37- حدائق بخشش

38- سامان بخشش
39- سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
40- شرح سلام رضا
41- شان صحابہ
42- کنزالعمال
43- الشرف المو بد لال محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
44- سیرت فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
45- فیضان سنت

ویڈیو اور ٹی وی
کا
شرعی استعمال

تصنیف لطیف

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ
شہزادہ محدث اعظم ہند کچھوچھوی اشرفی علیہ الرحمۃ

شبیر برادرز
40-بی اردو بازار لاہور۔ پاکستان

زینت المحافل

ترجمہ

نزہت المجالس

تصنیف

امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام

الصفوری الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (۹۰۰ھ)

ترجمہ

علامہ محمد منشا تابش القصوری الحنفی

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر: شبیر برادرز اردو بازار لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نفیس الواعظین

ترجمہ و تلخیص

انیس الواعظین

بافادات و اضافات جدیدہ

مصنف

حضرت علامہ ابوبکر بن محمد بن علی بدر القریشی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۞ خطیب جامع مسجد ظفریہ مریدکے

شبیر برادرز ۴۰، اردو بازار، لاہور